شہری

برائے بہتر ماحول

جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء

SHEHRI

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو' وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے...مارگریٹ میڈ

اندر کے صفحات میں

- کراچی کے نظم وضبط میں شہریوں کا کردار
- بے دخلیوں کی مانیٹرنگ رپورٹ
- گاڑیوں سے خارج ہونے والا دھواں

شہری منصوبہ بندی کے عمل کی خرابیاں

نعمان احمد

کراچی کی بنتی بگڑتی صورت

کراچی ملک کی اقتصادی سرگرمیوں کا مرکز اور روزگار کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔یہ شہر ملک کے مجموعی وفاقی ٹیکسوں کا ۲۵ء۵ فیصد اور مجموعی قومی پیداوار کا ۱۵ فیصد فراہم کرتا ہے

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ بحیرہ عرب کے ساحل پر واقع یہ شہر ترقی پذیر دنیا کے روایتی بندرگاہ والے شہروں کی طرح مخصوص انداز میں تیزی سے پھیلنے اور بڑھنے کی خصوصیت کا حامل ہے۔ اس شہر کو جس کا آغاز ایک چھوٹی سی مقامی بندرگاہ کے طور پر ہوا تھا برطانیہ نے ایک فوجی اڈے کی حیثیت سے ترقی دی۔ ۱۸۳۹ء میں اس کی آبادی صرف ۱۴ ہزار تھی اور شہر کی چہار دیواری میں تعمیر شدہ رقبہ صرف ۳۵ ایکڑ تھا۔

۱۸۶۱ء میں ریلوے کے ذریعے ملک کے بالائی صوبوں سے منسلک ہوجانے کے بعد صنعتوں اور گوداموں کی تعمیر میں ترقی ہوئی اور ان سرگرمیوں کے نتیجے میں روزگار کے مواقع پیدا ہوئے جو قرب و جوار کے صوبوں کے لوگوں کے لئے کشش کا باعث تھے۔ لوگ نقل مکانی کرکے لیاری ندی کے کناروں کے ساتھ ساتھ آباد ہونے لگے۔ ۱۹۰۰ء تک شہر کی آبادی ایک لاکھ سے تجاوز کرچکی تھی۔

نئے علاقوں کی شمولیت سے پرانا شہر ایک تجارتی اور کاروباری علاقے میں بدل گیا۔ ۱۹۲۰ء میں میونسپل حدود میں رہائشی مکانات کی تعداد اندازاً" تیس ہزار ہوگئی تھی اور یہ عمل ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔

نو آبادیاتی حکومت سے آزادی ملنے کے بعد ایک طرف اقتصادی سرگرمیاں مزید تیز ہوگئیں دوسری طرف بھارت سے بڑی تعداد میں مہاجرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور صرف چار سال کے عرصے میں شہر کی آبادی میں ڈھائی گنا اضافہ ہوگیا۔ ۱۹۵۱ء میں آبادی ایک کروڑ پچاس ہزار ہوگئی۔ جب سے اب تک شہر کی آبادی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور آج اس کی آبادی ایک کروڑ سے زائد اور سالانہ شرح افزائش ۴ء۵ فیصد ہے۔

ملک کا سب سے اہم اور بڑا شہر ہونے کی حیثیت اب بھی برقرار ہے کیونکہ کراچی ملک کی اقتصادی سرگرمیوں کا مرکز اور روزگار کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ شہر ملک کے مجموعی وفاقی ٹیکسوں کا ۲۵ء۵ فیصد اور ملک کی مجموعی قومی پیداوار کا ۱۵ فیصد فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ملکی بینکوں کے ڈپازٹس کا ۵۰ فیصد اور سرمایہ کاری کے حصص کا ۲۷ فیصد حصہ کراچی فراہم کرتا ہے (حسن۔۱۹۹۱ء) ان اعداد و شمار سے ہی پاکستان کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں اس شہر کی اہمیت کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

عظیم تر کراچی منصوبہ (مرز رینڈل و یٹن پلان)

۱۹۵۱-۵۲ء میں سویڈن کی ایک مشاورتی فرم مرز رینڈل و یٹن کو کراچی کا ماسٹر پلان تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ تین سال کی زبردست کاوشوں کے بعد اس فرم نے ایک ماسٹر پلان تیار کیا جو "عظیم تر کراچی منصوبہ" کہلاتا ہے۔ اس منصوبے میں شہر کی افزائش کے لئے جہات کا تعین کیا گیا تھا اور شہر کے شمالی حصے میں ایک الگ تھلگ علاقہ نئے دارالحکومت کے طور پر ترقی دینے کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ نئے دارالحکومت اور پرانے شہر کے درمیان تیز رفتار رابطے بھی تجویز کئے گئے تھے۔

اس منصوبے کے اہداف کئی وجوہات کی بناء پر پورے نہ کئے جاسکے۔ جن اعداد و شمار پر اس منصوبے کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ ناکافی تھے۔ اس کے علاوہ دارالحکومت کراچی سے

شہری

ڈی 206، بلاک 2، پی ای سی ایچ ایس
کراچی، پاکستان
ٹیلی فون / فیکس 92-21-453-0646
e-mail/address: shehri @ shehri.a.khi.brain.net.pk

ایڈیٹر : انیس ہارون
انتظامی کمیٹی
چیئرپرسن : قاضی فائز عیسیٰ
وائس چیئرپرسن : حسن جعفری
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : خطیب احمد
ارکان : دانش آذر زوبی، فرحان انور، وکٹوریہ ڈی سوزا، نوید حسین، حمیرا رحمٰن

شہری اسٹاف
ایڈمنسٹریٹر : مسز منصور
پراجیکٹ اسسٹنٹ : اسامہ خالد
سیکریٹری : سرتاجہ تاور

شہری ذیلی کمیٹیاں
آلودگی کے خلاف : نوید حسین
تحفظ ورثہ : دانش آذر زوبی، حمیرا رحمٰن
میڈیا اور بیرونی روابط : حمیرا رحمٰن، حسن جعفری، فرحان انور
قانون : قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی، رابعہ ڈی سوزا، وکٹوریہ ڈی سوزا
پارکس اور تفریح : خطیب احمد
مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری بروئے معاملات کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔
ایڈیٹر / ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن : ذیشان
پروڈکشن : انٹرپرائز کمیونیکیشن

مالی تعاون : فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

IUCN رکن
دی ورلڈ کنزرویشن یونین

اسلام آباد منتقل کردیا گیا جس کی وجہ سے کراچی کا نیا منصوب ازکار رفتہ ہوگیا۔ تاہم شہر اپنی کاریڈورز پر پھیلتا چلا گیا جن کی نشاندہی اس منصوبے میں کی گئی تھی۔

عظیم تر کراچی آبادکاری منصوبہ (ڈاکسی ایڈس پلان)

۱۹۵۶ء میں حکومت پاکستان نے ایتھنز کے ادارے ڈاکسی ایڈس کو ان مہاجرین کی دوبارہ آبادکاری کے لئے حکمت عملی وضع کرنے کی ذمہ داری سونپی جو شہر کے مرکز میں آباد ہوگئے تھے۔ دو سال کے بعد ان شہروں نے ایک منصوبہ پیش کیا جو "عظیم تر کراچی دوبارہ آبادکاری منصوبہ" کہلایا۔ اس منصوبے میں دو علاقوں کورنگی اور نارتھ کراچی کی نشاندہی کی گئی جنہیں خودکفیل ٹاؤن شپ کے طور پر ترقی دی جانی تھی جہاں مہاجرین کو منتقل کردیا جاتا۔ منصوبے میں صنعتی اور تجارتی ترقی کے ذریعے روزگار کے مواقع کی فراہمی کا بھی خیال رکھا گیا تھا۔ ابتداء میں حکومت کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ بے گھر افراد کے لئے کالونیاں تعمیر کرے جبکہ نجی شعبے کو ترغیبات دی گئیں کہ وہ صنعتوں میں سرمایہ کاری کرے۔ یہ منصوبہ اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہا جس کی بڑی وجوہات یہ تھیں۔

☆ اس میں استعمال اراضی کے انتظام کے لئے نہ صرف طویل المیعاد بلکہ قلیل مدت کے لئے بھی کوئی حکمت عملی تجویز نہیں کی گئی تھی۔

☆ اس منصوبے میں شریک حکام کے کردار کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔

کراچی ترقیاتی منصوبہ (۱۹۷۳۔۸۵ء)

یو این ڈی پی اور ہیڈکو کے مالی اور فنی تعاون سے کے ڈی اے کے ماسٹر پلان شعبے کے لئے ۱۹۷۰ء میں کراچی کے ترقیاتی منصوبے کی تیاری شروع کی۔ یہ پلان ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۵ء تک بارہ سال کے عرصے پر محیط تھا۔ منصوبے کے لئے جامع انداز میں اعداد و شمار جمع کئے گئے۔ منصوبے میں مختلف علاقوں اور شعبوں کے لئے اہداف مقرر کئے گئے۔ آبادی، رہائشی ضروریات، افزائش کے لئے کاریڈورز، روزگار کے مواقع کی فراہمی اور دیگر اہم پہلوؤں کو اس منصوبے میں سمویا گیا۔ اگرچہ اس منصوبے کے بعض حصوں پر عملدرآمد ہوا تاہم مجموعی طور پر یہ منصوبہ بھی اپنے اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اس کے مختلف مجموعی اور شعبہ داری حصوں پر عمل ہوا، لیکن منصوبے میں شرکت کرنے والے اداروں کے بنیادی کردار کا تعین نہیں کیا گیا۔

کراچی ترقیاتی منصوبہ (۱۹۸۶ء تا ۲۰۰۰ء)

منصوبہ بندی کی دستاویز کے الفاظ کے مطابق کراچی ترقیاتی منصوبہ ۲۰۰۰ء کا مقصد شہر کی ترقی کے لئے ایک ایسا ڈھانچہ فراہم کرنا ہے جو آئندہ عشرے اور اس کے بعد بھی کارآمد ہو۔ یہ منصوبہ کے ڈی اے کے ماسٹر پلان اور ماحولیاتی کنٹرول کے شعبے (ایم پی ای سی ڈی) کے منصوبہ

باقی صفحہ ۱۸ پر ملاحظہ فرمائیں

چند سفارشات

الف) منصوبہ بندی کے تصور کو بدلا جائے۔ نظریاتی اعتبار سے جامع منصوبے کی جگہ ان مسائل کے حل کے لئے پلاننگ سپورٹ سسٹم کو جگہ دی جائے جن کی مشترکہ طور پر نشاندہی کی جائے۔

ب) متعلقہ عملدرآمد کرنے والے اداروں کی خواہش اور رائے معلوم کرنے کے بعد ایک مشترکہ ایجنڈہ تیار کیا جائے۔

ج) منصوبوں، پراجیکٹس اور پروگراموں کی ترجیحات کے تعین میں دلچسپی رکھنے والے گروپوں کو شامل کیا جائے۔

د) مسلسل اطلاعات و معلومات جمع کرنے کا عمل شروع کیا جائے۔ کے ڈی اے اور کے ایم سی کو اپنی معلومات جمع کرنے اور اس کے تجزیئے کی صلاحیت کو مستحکم کرنا چاہئے۔ جغرافیائی اور ارضی معلومات کے نظام کو موثر طور پر استعمال کیا جائے۔

س) موجودہ اداروں کی فنی، انتظامی اور مالی استعداد کو مستحکم کرنے کی کوششیں کی جائیں۔ مزید نئے اداروں کے قیام سے الجھن اور بدانتظامی اور بڑھے گی۔

ص) منصوبوں اور پروگراموں کو باقاعدہ طور پر رائے عامہ حاصل کرنے کے بعد ہی قطعی شکل دی جائے۔

بے دخلیوں کی مانیٹرنگ رپورٹ اربن ریسورس سینٹر

کے ایم سی' کے ڈی اے' ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی' کنٹونمنٹ بورڈ' سول ایوی ایشن اتھارٹی' پولیس' لینڈ مافیا اور بلڈرز بے دخلیوں کے جرم میں ملوث ہیں

ماہرین کے تخمینوں کے مطابق 2010ء تک پاکستان میں شہری آبادی 82 ملین ہوجائے گی اور بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے کم ازکم 55ء6 ملین مکانات کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں شہری علاقوں میں فی مکان 55ء6 افراد رہائش پذیر ہیں۔ کراچی میں ہر سال بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے 90 ہزار ہاؤسنگ یونٹس کے اضافے کی ضرورت ہے تاہم اس کے برعکس 26 ہزار یونٹس سے زائد مکانات تعمیر نہیں ہوپائے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ کم آمدنی والے لوگوں کے لئے قرضوں اور دیگر تعمیراتی سہولتوں کی فراہمی کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کچی آبادیوں اور جھونپڑیوں میں سرچھپانے کی جگہ ڈھونڈنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لینڈ مافیا انہیں یہ زمین فراہم کرتی ہے جسے بدعنوان سرکاری' افسروں' پولیس اور غنڈوں کی سرپرستی اور حمایت حاصل ہے۔ لینڈ مافیا زمین پر ناجائز قبضہ کرتی ہے اور اسے غریبوں کے ہاتھ فروخت کردیتی ہے۔ وہ اس پر گھر تعمیر کرتے ہیں اور بھاگ دوڑ کرکے رشوت اور بلیک مارکیٹ کے سہارے بجلی' پانی' سڑکیں اور اسکول جیسی بنیادی سہولتیں بڑی مشکل سے حاصل کرپاتے ہیں اور اپنی حفاظت و بقا کے لئے پولیس اور دوسرے متعلقہ حکام کو بھتوں کی شکل میں بھاری رقم ادا کرتے ہیں۔

تاہم جب یہی زمین مالدار لوگوں کو تجارتی کمپلیکس اور رہائشی اپارٹمنٹس کی تعمیر کے لئے درکار ہوتی ہے تو ان کچی پکی بستیوں پر بلڈوزر چلا دیئے جاتے ہیں۔ چند گھنٹوں میں کسی وارننگ کے بغیر ہی وہ کروڑوں روپے جو غریبوں نے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے ان مکانات کی تعمیر میں لگائے ہوتے ہیں ملبے کا ڈھیر بن جاتے ہیں اور وہ ایک بار پھر بے گھر ہوجاتے ہیں' راشی اور بدعنوان عناصر کا کچھ نہیں بگڑتا اور وہ بدستور اپنا کاروبار جاری رکھتے ہیں۔ جہاں مکانات مسمار کرنا ممکن نہیں ہوتا وہاں بستیوں میں آگ لگادی جاتی ہے۔

حال ہی میں حکومت پاکستان نے رہائشی مسائل کے بارے میں استنبول ڈکلریشن پر بھی دستخط کئے ہیں جس کے تحت اس نے بے گھر افراد کو رہائش کی فراہمی اور موجودہ بستیوں کے تحفظ کا وعدہ کیا ہے۔ غریبوں کے مکانات کا انہدام اس ڈکلریشن کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

کراچی میں بے دخلیاں

کراچی میں 539 کچی آبادیاں ہیں جن میں 67ء2 ملین افراد آباد ہیں۔ 15'572 ایکڑ رقبے پر ان کچی آبادیوں میں 42ء0 ملین ہاؤسنگ یونٹس ہیں۔

اربن ریسورس سینٹر نے 1992ء سے اب تک کراچی کے مختلف علاقوں سے بے دخلیوں کے دستاویزی شواہد جمع کئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق اب تک 9'606 مکانات اور دکانیں بلڈوزر چلاکر گرائے گئے (جبکہ اصل تعداد اس سے بہت زیادہ ہے) جبکہ مزید 336 مکانات گرائے جانے کا خطرہ ہے اس کے علاوہ 1986 جھونپڑیوں اور دکانوں کو آگ لگادی گئی۔ مافیا اور پولیس کی پشت پناہی سے آتشزنی کی ان وارداتوں میں 7 بچے ہلاک اور 196/ افراد زخمی ہوگئے۔

تخمینی اعداد وشمار کے مطابق کچی بستیوں پر بلڈوزر چلانے سے غریب شہریوں کا 97ء5 ارب روپے کا نقصان ہوچکا ہے اور اگر معیاری ایکسپریس وے اور منظور کالونی نالہ جیسی اسکیموں پر عملدرآمد شروع ہوا تو غریبوں کے مزید 54ء3 ارب روپے ڈوب جائیں گے۔

سروے کے مطابق 51ء5 فیصد ڈھائے جانے والے مکانات فلاحی پلاٹوں پر 11ء97 فیصد سرکاری اور بلدیاتی زمینوں پر 12ء77 فیصد نجی زمینوں پر 37ء68 فیصد خطرناک زون میں (ندیوں اور سمندر کے کنارے' ریلوے لائن کے ساتھ اور پلوں کے نیچے آبادیوں) اور 1ء38 فیصد سیاسی وجوہ کی بناء پر ڈھائے گئے۔ بیشتر صورتوں

میں مکانات ڈھائے جانے کے بعد خواہ فلاحی پلاٹ ہو یا سرکاری یا نجی زمین یا وہ خطرناک زون میں ہی کیوں نہ ہو یہ اراضی اپارٹمنٹس اور کمرشل سینٹر کی تعمیر کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ صرف چند صورتوں میں پل یا سڑکیں تعمیر کی جاتی ہیں بعض صورتوں میں بے گھر ہونے والے افراد ایک بار پھر انہی زمینوں پر قابض ہوجاتے ہیں اور دوبارہ تنکا تنکا کرکے آشیانہ بنانا شروع کردیتے ہیں۔

بے دخلیوں میں جو ادارے ملوث ہیں ان میں کے ایم سی' کے ڈی اے' ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی' کنٹونمنٹ بورڈ' سول ایوی ایشن اتھارٹی' پولیس' لینڈمافیا اور بلڈرز شامل ہیں۔

رپورٹ شدہ کیسوں میں بے دخل کئے جانے والے خاندانوں کو کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا۔ دس فیصد متاثرہ خاندانوں کو متبادل پلاٹ دینے کا اعلان کیا گیا (جن میں سے 50 فیصد پلاٹ جھوٹے دعویداروں کو دیئے گئے جن میں پولیس

چند گھنٹوں میں کسی وارننگ کے بغیر وہ کروڑوں روپے جو غریبوں نے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے ان مکانات کی تعمیر میں لگائے ہوتے ہیں ملبے کا ڈھیر بن جاتے ہیں

اور سیاسی کارکن بھی شامل ہیں) یہ پلاٹ ایسے دوردراز علاقوں میں دیئے گئے جو روزگار کی جگہوں سے دور اور ہر قسم کی سہولتوں سے محروم ہیں چنانچہ متاثرین یہ پلاٹ لینڈمافیا کے ہاتھوں اونے پونے داموں فروخت کرکے دوبارہ اپنے کام کی جگہوں کے قریب کچی آبادیاں بنانے لگتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بے دخلیوں سے قبل متاثرین کو کوئی پیشگی نوٹس نہیں دیا جاتا۔ بعض صورتوں میں بے دخلی آپریشن سے صرف ایک یا دو گھنٹے قبل پولیس اور حکام مائیکروفون پر بستی خالی کردینے کا الٹی میٹم دیتے ہیں جبکہ بستی کے بیشتر مرد اپنے کام پر گئے ہوئے ہوتے ہیں' انہدام کرنے والی ٹیم کے ساتھ چونکہ دس بیس پولیس موبائلیں بھی ہوتی ہیں اس لئے خواتین اور بچے کوئی مزاحمت کرنے کے بجائے گھروں سے اپنا سامان نکالنا شروع کردیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں تو سامان نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملتی جبکہ بعض صورتوں میں پولیس سامان لوٹ لیتی ہے۔ رحمن آبادی' لیاری ندی' للی برج' زمرد کالونی' صدیق بروہی گوٹھ وغیرہ میں مکینوں نے عدالتوں سے حکم امتناعی بھی حاصل کرلئے تھے لیکن پولیس اور حکام نے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

بے دخلی کے اس ڈرامے کے اصل کردار بلڈرز اور ڈیویلپرز ہیں جو سب سے پہلے ان کچی بستیوں میں یا اس کے قریب کی زمین کوڑیوں کے مول خرید لیتے ہیں' جب زمین کی مالیت بڑھ جاتی ہے تو وہ متعلقہ حکام کو رشوت یا دباؤ کے ذریعے آمادہ کرتے ہیں کہ اس بستی کو ناجائز آبادی قرار دے کر گرا دیا جائے' کچی آبادیاں ختم ہوجانے سے زمین کی قیمت میں دس سے سوگنا اضافہ ہوجاتا ہے اس وقت لیاری ندی میں زمین کی قیمت 500 روپے سے ایک ہزار روپے فی مربع گز ہے لیکن کچی آبادی ختم ہونے اور سڑکیں بن جانے کے بعد اسی زمین کی قیمت 50 ہزار روپے فی مربع گز ہوجائے گی۔

کراچی میں پانچ قسموں کے افراد بے دخلیوں کے خطرے سے دوچار ہیں۔

1) فلاحی پلاٹوں اور ان بستیوں کے مکین جو خطرناک زون میں واقع ہیں۔ جونہی ان

باقی صفحہ ۱۸ پر ملاحظہ فرمائیں

شہری مسائل کی جھلکیاں

سیمینار کے انعقاد کے دوران کراچی کے امور کے بارے میں ایک نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا' نمائش میں کتابوں' تصاویر' نقشوں اور چارٹوں کی مدد سے کراچی کی ترقی اور مسائل پانی' سیوریج' کچرا اٹھانے اور ٹھکانے لگانے کے مسائل' ٹرانسپورٹ کا نظام' غیرقانونی تعمیرات' ندیوں میں آلودگی وغیرہ کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا۔ "شہری" کے علاوہ کراچی ایڈمنسٹریٹو ویمنز ویلفیئر سوسائٹی' ہیریٹج فاؤنڈیشن' لارڈز کلب اور پی سی ایس آئی آر نے بھی نمائش میں حصہ لیا' تصاویر اور چارٹس کی مدد سے استعمال شدہ پانی کو دوبارہ استعمال کے قابل بنانے اور کچرے کی کمپوسٹنگ کے عمل کو بڑی خوبصورتی سے وضاحت کی گئی تھی' سیمینار کے شرکاء نے نمائش میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور نمائش میں شرکت کرنے والی تنظیموں اور اداروں کی کوششوں کو سراہا۔

کراچی کے نظم و ضبط میں شہریوں کا کردار

شہری برائے بہتر ماحول کی جانب سے مقامی ہوٹل میں سیمینار کا انعقاد

افتتاحی اجلاس۔ جناب رینے کلاف' قاضی فائز عیسیٰ اور جناب کمال اظفر

شہری نے حال ہی میں فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے ایک دو روزہ سیمینار منعقد کیا۔ جس کا مقصد کراچی شہر کو درپیش اہم مسائل کو اجاگر کرنا اور شہری ترقی اور اس کے بندوبست میں عوام کی شمولیت کی ضرورت اور اہمیت پر زور دینا تھا۔ سیمینار کو چار علیحدہ اجلاسوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر سیشن میں ایک مخصوص موضوع کو بحث اور صلاح مشورے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ جن چار موضوعات پر غور کیا گیا ان میں لینڈ مینجمنٹ اور ماسٹر پلان' بلدیاتی ادارے' تعمیراتی قوانین اور شہری ٹرانسپورٹ کے مسائل شامل ہیں۔

سابق گورنر سندھ جناب کمال اظفر نے سیمینار کا افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انہوں نے شہر کو درپیش بعض اہم مسائل کی نشاندہی کی' ان کی رائے تھی کہ شہر کے مسائل کا بڑا سبب غلط منصوبہ بندی اور ناقص انتظام ہے۔

"شہری" کے چیئرمین قاضی فائز عیسیٰ نے سیمینار کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ ہمارے شہری حکام کی برسوں کی بدانتظامیوں کے نتیجے میں کراچی اب غالبا" اس خطے کا سب سے گندہ اور غلیظ ترین شہر بن گیا ہے' انہوں نے شہری امور میں عوام کو شریک کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے ملکی نمائندے ڈاکٹر رینی کلف نے اپنی تقریر میں اپنے ادارے کا مختصر تعارف پیش کیا اور برسہابرس سے شہری کے ساتھ پارٹنرشپ پر اطمینان کا اظہار کیا۔ ان کی رائے تھی کہ کراچی شہر کے مسائل کی سنگینی کا تقاضا ہے کہ سوچے سمجھے منصوبے اور حکمت عملیاں شروع کی جائیں۔ مقامی سطح پر عوام کو فیصلوں میں شریک کیا جائے' انہوں نے کہا کہ اس ضمن میں "شہری" جیسی تنظیمیں بہت اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔

پہلا اجلاس

لینڈ مینجمنٹ / ماسٹر پلان

میزبان: انور فرحان (شہری)

ماسٹرپلان ڈپارٹمنٹ کے ڈی اے کے ایڈیشنل ڈائریکٹر اقبال انژ نے اپنی تقریر میں منصوبوں کو موثر طور پر عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب قانونی اور اداراتی ڈھانچے اور مربوط اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ غیرقانونی بستیاں' آبادی میں تیزی سے اضافہ' غیرمناسب اقدامات' شہری اداروں کے درمیان تعاون کے فقدان کی وجہ سے شہر کی منظم انداز میں ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔

داؤد کالج آف انجینئرنگ کے جناب نعمان احمد نے کراچی کی شہری منصوبہ بندی کا تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے کہا کہ منصوبے اس لئے ناکام ہوئے کہ کے ڈی اے ان پر عملدرآمد کے لئے مطلوبہ استعداد سے محروم تھی انہوں نے شہری منصوبہ بندی میں شہریوں کے کردار کی

مہمان خصوصی اور شہری کے عملے کا تعارف

اہمیت پر زور دیا اور کہا کہ نئے ادارے قائم کرنے کے بجائے موجودہ اداروں کو ہی مستحکم کیا جائے۔

آئی یو سی این کے ڈائریکٹر ڈاکٹر پرویز نعیم نے اپنی تقریر میں کراچی کو درپیش ماحولیاتی خطرات کا ذکر کیا اور کہا کہ کراچی میں دو زلزلوں کے خطے ہیں اور شہری سہولتوں کی لائنیں انہی خطوں سے گزرتی ہیں۔ انہوں نے شہر کے نواح میں بجلی گھر کی تعمیر پر بھی تشویش کا اظہار کیا۔

بلدیہ کراچی کے سابق ایڈمنسٹریٹر نے کہا کہ حکام انتہائی دباؤ اور پابندیوں کے تحت کام کرتے ہیں۔ کئی قوتیں اور شعبے شہر کے اجتماعی مفاد کے خلاف کام کر رہے ہیں مثلاً زمینوں پر ناجائز قبضہ کرنے والے گروپ' انہوں نے اپنے "کچرہ ٹرین" چلانے کے فیصلے کا دفاع کرتے ہوئے اسے بند کرنے کے فیصلے پر نکتہ چینی کی۔ اس کے بعد سوالوں اور جوابات کا سیشن ہوا۔

دوسرا اجلاس

بلدیاتی ادارے

میزبان: قاضی فائز عیسیٰ (شہری)

کے ایم سی کے ایڈمنسٹریٹر انظار زیدی نے کراچی شہر کے معاملات کے انتظام کے سلسلے میں کے ایم سی کی ذمہ داریوں اور کردار کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی' انہوں نے زیر تکمیل ترقیاتی منصوبوں کی بھی تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے زور دیا کہ کراچی کے شہریوں کو خود فیصلہ کرنا چاہئے کہ وہ اس شہر پر حکومت کے سلسلے میں کیا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔

مقررین : جناب فہیم زماں' نعمان احمد' ڈاکٹر پرویز نعیم اور اقبال مرزا

اگر شہری ایک صاف ستھرا ماحول چاہتے ہیں تو انہیں اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے' شہریوں کو اس کے لئے آمادہ کرنے کے لئے سیاسی اور انتظامی عزم کی ضرورت ہے

سندھ کچی آبادی اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل تسنیم احمد صدیقی نے ان عوامل پر بحث کی جن کی وجہ سے شہر کے معاملات کو چلانا دشوار ہوتا جارہا ہے۔ ان میں سے ایک سبب مقامی سطح پر نمائندہ اداروں کی عدم موجودگی بھی ہے۔ انہوں نے کچی بستیوں کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اگر حکومت زمین کے حصول کو آسان بنادے اور قانونی طور پر شہری سہولتوں کے حصول میں آسانی پیدا کردے تو بہت سے موجودہ مسائل ختم ہوجائیں گے۔

این ای ڈی یونیورسٹی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر محمد نعمان نے کے ایم سی کے مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی' ان مسائل میں سیاسی اور انتظامی قیادت کا فقدان' حکومت' نوکر شاہی' پریشر گروپس اور سیاست دانوں کا دباؤ' افسران میں فنی صلاحیت کی کمی اور بدعنوانیاں شامل ہیں۔

انہوں نے کونسلرز کی سطح پر زیادہ خود مختاری دینے اور بلدیاتی نظام میں این جی اوز کو شامل کرنے کی ضرورت پر زور دیا سینئر ماہر اقتصادیات ڈاکٹر ایلی ایرک لان نے عالمی بینک کی امداد سے چلنے والے زیر تکمیل منصوبوں پر بحث کی اور کراچی میں آب رسانی اور سیوریج کی سہولتوں کی تنظیم نو پر زور دیا۔ انہوں نے زور دیا کہ شہری ان اداروں کے معاملات میں احتساب کے مطالبے پر زور دیں اور پرائیویٹائزیشن کے عمل کی نگرانی کے لئے شہریوں کے گروپس کی خدمات حاصل کی جائیں۔

تیسرا اجلاس

تعمیراتی قوانین

میزبان: خطیب احمد (شہری)

جناب نعیم الرحمان بیرسٹر ایٹ لاء نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے کردار پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ تمام قواعد و ضوابط کو پامال کر کے سیاست دانوں اور بلڈرز مافیا کے مفادات کے لئے غیر قانونی عمارتوں کی تعمیر کی اجازت دے رہا ہے۔ انہوں نے شہریوں کو مشورہ دیا کہ وہ لالچ میں نہ آئیں اور زمینوں کے غیر قانونی طور پر استعمال کی مزاحمت کریں۔

چیف کنٹرولر بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی جناب محمد حسین نے مختلف شہری اداروں کے درمیان رابطے نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اتھارٹی کے افسران پر سیاسی دباؤ ہوتا ہے' تقرریاں میرٹ اور کارکردگی کی بنیاد پر نہیں ہوتیں۔ انہوں نے عدالتوں اور ضلعی انتظامیہ کے کردار پر بھی نکتہ چینی کی اور کہا کہ موجودہ تعمیراتی قوانین کو اپ ڈیٹ کیا جائے۔

شہری کے ایگزیکٹو ولینڈ ڈی سوزا نے بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے کردار پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ نہ صرف یہ ادارہ بلکہ انجینئرنگ کے دوسرے پیشہ ورانہ ادارے بھی اس شہر کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں ناکام ہوگئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ضلعی انتظامیہ' کے بی سی اے اور عدالتوں کے

پینل : محترمہ صادقہ صلاح الدین' عامل طاہر اور سارہ صدیقی

درمیان ایک طرح کی "نورا کشتی" ہو رہی ہے۔ تقاریر کے بعد سوالات کئے گئے

چوتھا اجلاس

شہری ٹرانسپورٹ

میزبان: نوید حسین (شہری)

ہائی ویز انجینئرنگ کنسلٹنٹس کے ڈائریکٹر خالد مرزا نے کہا کہ کسی ملک کا ٹرانسپورٹ کا نظام اس قوم کی نفسیات کا آئینہ دار ہوتا ہے انہوں نے زور دیا کہ ہمیں ٹریفک قواعد کی خلاف ورزی کی عادت چھوڑ دینی چاہئے اور مقامی اداروں کو مضبوط بنانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں این جی اوز اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔

جناب ایس ایم ایچ رضوی نے اپنی تقریر میں کراچی ماس ٹرانزٹ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس منصوبے پر عملدرآمد نہ ہونے پر اظہار افسوس کیا اور شہریوں پر زور دیا کہ وہ اس منصوبے کی جلد تکمیل کے لئے پورا دباؤ ڈالیں۔

ڈائریکٹر آپریشنز کراچی ٹرانسپورٹ کارپوریشن شمس الدین ابڑو نے کے ٹی سی کو وفاقی حکومت کی تحویل میں دینے اور اس کی تنظیم نو کی ضرورت پر زور دیا۔

ریٹائرڈ بریگیڈیئر ایس ایس اے قاسم' اعزازی سیکریٹری انسٹی ٹیوٹ آف ٹرانسپورٹ پاکستان نے کہا کہ موجودہ بحران کا سبب منصوبہ بندی کا فقدان نہیں بلکہ منصوبوں پر عمل نہ ہونا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہر میں ٹرانسپورٹ کے لئے بنیادی سہولتوں کا ڈھانچہ ناکافی ہے۔ ماضی میں اگرچہ اس شہر کی منصوبہ بندی میں شہریوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تاہم آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

ٹرانسپورٹ انجینئر ڈاکٹر زبیر احمد نے کہا کہ کراچی کا ٹرانسپورٹ نظام اپنے بنیادی مقاصد کی تکمیل میں ناکام ہوگیا ہے انہوں نے اس کے اسباب کی بھی نشاندہی کی اور زور دیا کہ ٹرانسپورٹ کے منصوبوں کو ان کے سماجی اور ماحولیاتی اثرات کی بنیاد پر پرکھا جائے۔ انہوں نے ٹرانسپورٹ کے شعبے میں فیصلوں اور انتظامی معاملات میں شہریوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت پر زور دیا۔

سیمینار سے ٹرانسپورٹرز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکریٹری ارشاد حسین بخاری' ایس پی ٹریفک ساؤتھ مولا بخش خشک نے بھی خطاب کیا۔

کراچی کا ٹرانسپورٹ نظام اپنے مقاصد کی تکمیل میں ناکام ہو گیا ہے

شہری ٹیم

اختتامی اجلاس

اختتامی اجلاس میں "شہری" کے قاضی فائز عیسیٰ' خطیب احمد اور فرحان انور نے شرکاء کی حمایت سے متعدد قراردادیں منظور کرائیں۔ ان قراردادوں میں مطالبہ کیا گیا کہ

- ☆ بلدیاتی اداروں کے انتخابات بلا تاخیر کرائے جائیں۔
- ☆ شہری زندگی کے ہر شعبے میں منصوبہ بندی کے عمل میں شہریوں' ماہرین اور این جی اوز کو شریک کیا جائے۔
- ☆ شہری اداروں سے متعلق معلومات اور اعداد و شمار عام شہریوں کی مکمل رسائی میں ہونے چاہئیں۔
- ☆ تمام شہری اداروں کے بارے میں مکمل اور تازہ ترین معلومات پر مشتمل مرکزی ڈیٹا بینک قائم کئے جائیں۔
- ☆ شہری ماسٹر پلان پر شہریوں' ماہرین اور این جی اوز کی مدد سے عملدرآمد کیا جائے۔

"شہری" ان قراردادوں کو (شہریوں کا چارٹر آف ڈیمانڈ) کے طور پر مرتب کرکے گورنر' حکومت اور دیگر متعلقہ حکام کو پیش کرے گی اور ان پر عملدرآمد کے لئے جدوجہد کرے گی۔

رونالڈ ڈی سوزا' جناب نعیم الرحمٰن اور جناب محمد حسین خطاب کر رہے ہیں

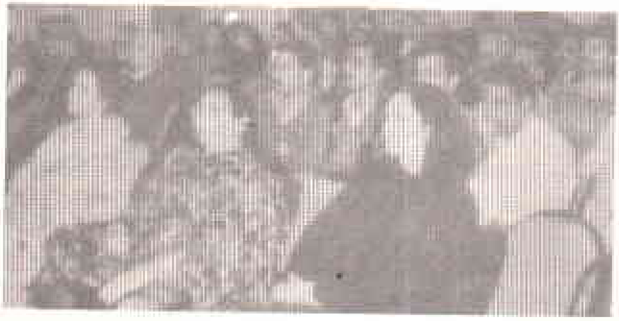

سیمینار کے شرکاء

نل کا پانی ابال کر یا فلٹر کے بعد استعمال کیا جائے

کراچی کے اسکولوں میں فراہم کئے جانے والے پانی کی غیر تسلی بخش صورتحال کے بارے میں شہری کا تجزیہ

آلودہ پینے کے پانی کا استعمال' شہریوں اور خصوصاً" بچوں کی صحت کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے۔ اسی لئے کسی بھی بڑے شہر میں شہری منصوبہ بندی کرنے والے اولین ترجیح آبرسانی اور صفائی کی خدمات کو دیتے ہیں کیونکہ اس کے اثرات براہ راست شہریوں کی صحت پر ہوتے ہیں۔ ہمارے شہر میں اگرچہ اب پہلے کے مقابلے میں آبادی کے ایک بڑے حصے کو پینے کے قابل پانی فراہم کیا جارہا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہمارے نلوں سے جو پانی نکل رہا ہے وہ پینے کے لئے موزوں ہے۔ اگرچہ اس مسئلے پر کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے حکام اور آزاد تجزیہ کرنے والوں میں اختلاف رائے ہمیشہ رہا ہے تاہم بہتر یہی ہے کہ نل کا پانی استعمال سے پہلے ابال کر یا فلٹر کرکے ہی استعمال کیا جائے۔

شور بڑھنے کی وجہ سے اب ہمارے بیشتر گھروں میں پینے کا پانی اب ضروری ٹریٹ منٹ کے بعد ہی استعمال کیا جاتا ہے تاہم گھروں میں کی جانے والی احتیاط کے باوجود بچوں کو آلودہ پانی ملتا رہتا ہے جو پانی کے ذریعے پھیلنے والی بیماریوں مثلاً یرقان' ہیضہ' پیچش اور دائریا جیسے امراض کے جراثیم سے آلودگی ہوتا ہے۔ عام طور پر ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بچہ ٹھیلے والے سے کوئی چیز لے کر کھانے کی وجہ سے بیمار ہو گیا ہے۔

ہو سکتا ہے یہ درست ہو' لیکن والدین اکثر اس بات پر غور کرنا بھول جاتے ہیں کہ بچہ اپنے دن کا آدھے سے زیادہ وقت اسکول میں گزارتا ہے۔ لہٰذا اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ اسکول میں کچھ کھانے یا پینے کی وجہ سے وہ کسی وائرس یا بیکٹریا سے متاثر ہوا ہو۔ کئی مقامی اسکولوں میں خواہ وہ سرکاری ہوں یا پرائیویٹ پینے کے پانی کی فراہمی کے معاملے میں بنیادی حفظان صحت کے تقاضوں کو بھی نظرانداز کردیا جاتا ہے۔

بیشتر اسکولوں میں پانی مقامی واٹر سپلائی لائن سے حاصل کیا جاتا ہے اور اسے زیرزمین ٹینکوں میں ذخیرہ کیا جاتا ہے پھر اسے پمپ کے ذریعے اوورہیڈ ٹینک میں پہنچایا جاتا ہے جہاں سے نلوں کے ذریعے استعمال کرنے والوں تک پہنچتا ہے۔ بعض صورتوں میں پانی ٹھنڈا کرنے کے لئے الیکٹرک کولرز بھی لگائے جاتے ہیں تاہم کسی قسم کا ٹریٹ منٹ نہیں کیا جاتا۔ آبی ذخائر شاید ہی کبھی صاف کئے جاتے ہوں جس کی وجہ سے مسئلہ اور سنگین ہو جاتا ہے۔ شہر کے بعض دوردراز علاقوں کے اسکولوں میں تو صورتحال یہ ہے کہ پانی کی سپلائی بے قاعدہ ہونے کی وجہ سے پینے کے لئے بھی زیرزمین پانی استعمال کیا جاتا ہے جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

والدین اکثر یہ جان کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے بچے کو پانی کا تھرماس دے دیا ہے اور اب تشویش کی کوئی بات نہیں' تاہم دیکھا گیا ہے کہ زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے یا دوسرے بچوں کو جو اپنا پانی نہیں لاتے پلا دینے کی وجہ سے تھرماس کا پانی جلد ختم ہو جاتا ہے اور بچہ اسکول کے نل سے فراہم ہونے والا پانی پینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کنکریٹ کے بنے ہوئے پانی کے ٹینکوں کی حالت ابتر ہوتی ہے' وہاں کاکروچ اور دوسرے کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہیں۔ بیشتر نل ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں گلاس شاید ہی کبھی کافی تعداد میں فراہم کئے جاتے **ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے براہ راست نل کو منہ لگا کر پانی پینے کی انتہائی خطرناک**

عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سرکاری اسکولوں میں تو حالت ابتر ہوتی ہی ہے نجی اسکولوں کی اکثریت میں بھی صورت حال کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوتی۔

اگر آپ ایسے اسکولوں کی انتظامیہ سے اس افسوسناک صورت حال کی وجوہ پوچھیں تو وہ حیرت سے ایسے دیکھیں گے گویا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جس کا انہیں پہلے سے کوئی علم نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ اس معاملے کو بھی ترجیح نہیں دی گئی۔ پھر فنڈز کی کمی کا روایتی عذر پیش کردیا جاتا ہے۔ تاہم یہ بات نوٹ کی گئی ہے کہ باؤنڈری وال کی تعمیر' رنگ روغن اور نئے فرنیچر وغیرہ پر تو خاصی رقم خرچ کی جاتی ہے لیکن اس اہم پہلو کو جس کا براہ راست تعلق طلبہ کی صحت سے ہے عام طور پر نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ اس کا الزام بچوں کے والدین کے سر بھی جاتا ہے۔ والدین کو ہمیشہ اپنے بچوں کے نمبروں اور گریڈ کی تو فکر ہوتی ہے لیکن وہ شاید ہی کبھی یہ چیک کرنے پر توجہ دیتے ہوں کہ بچہ اسکول میں کیا کھاتا اور پیتا ہے۔

اس مسئلے کو حل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسکولوں میں پانی کو صاف اور فلٹر کرنے کے پلانٹس لگا دیئے جائیں یہ یونٹس پورے اسکول کی ضروریات کے مطابق ہوں' اگر فی الحال اتنے بڑے پیوری فیکیشن پلانٹ بازار میں دستیاب نہ ہوں تو اس سلسلے میں ضروری قانون سازی کے بعد اس قانون کی پابندی مارکیٹ میں ان کی دستیابی پر مثبت اثرات کی حامل ہوگی۔ ایک بیک اپ یونٹ بھی لگانا مفید ہوگا کیونکہ ایسے یونٹس کی باقاعدگی سے صفائی ہونی چاہئے اور بیک اپ یونٹ اس صورت میں بہت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔

اسکول کینٹینوں کی حالت بھی ایک تشویشناک پہلو ہے' اکثر ان میں باسی اشیاء فروخت ہوتی ہیں اور مناسب صفائی ستھرائی پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

والدین اور اسکولوں کی انتظامیہ کی مشترکہ کوششوں سے ہی اس سلسلے میں موثر عوامی دباؤ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ توقع ہے کہ والدین اور اسکولوں کی انتظامیہ دونوں ہی اس اہم مسئلے پر پوری توجہ دیں گے اور متعلقہ سرکاری محکموں کے افسران بھی تاکہ ہمارے بچوں کو تعلیم کے لئے ایک صحت مند ماحول میسر آسکے۔

گاڑیوں سے خارج ہونے والا دھواں اور فضائی آلودگی

نوید حسین

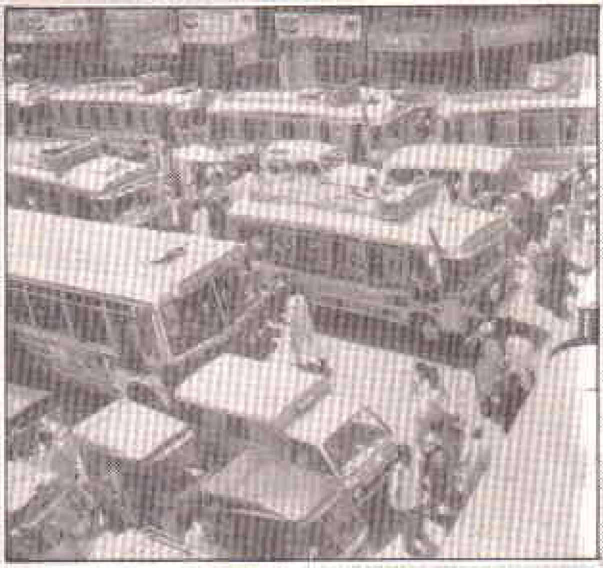

اب جبکہ قومی ماحولیاتی معیارات کا تعین ہوچکا ہے تحفظ ماحول کے ادارے اور ٹریفک پولیس کو ایک دو مرحلوں کے عمل کے ذریعے ان معیارات کونافذ کرنا چاہئے

آنے والے عشروں میں ایشیا میں سب سے زیادہ گاڑیوں کی تعداد اور صنعت کاری میں اضافہ ہوگا۔ جس کے نتیجے میں فضائی آلودگی کی سطح میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ لہٰذا یہ بہت ضروری ہے کہ دھویں کے اخراج کو کنٹرول کیا جائے۔ آبادی میں بے تحاشہ اضافے کے باعث پاکستان میں رہنے والے لوگوں کی تعداد جو تقسیم کے وقت ۳۱٫۵ ملین تھی ۱۹۹۶ء میں بڑھ کر ۱۴۰ ملین ہوگئی ہے۔ گزشتہ دو دہائیوں کے دوران کراچی میں گاڑیوں کی تعداد میں ۱۲ فیصد کی شرح سے اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ شہری آبادی میں اضافے کی شرح ۶٫۵ فیصد ہے۔ بالالفاظ دیگر گاڑیوں کی تعداد میں انسانوں کے مقابلے میں دگنی شرح سے اضافہ ہوا ہے۔ شہری علاقوں میں گنجان آبادی سے نہ صرف ماحولیاتی انحطاط اور سماجی مسائل جنم لیتے ہیں بلکہ گاڑیوں اور صنعتوں سے نکلنے والے دھویں کی وجہ سے فضائی آلودگی کی سطح بھی بڑھ جاتی ہے۔

دوسرے مسائل کی طرح گاڑیوں سے نکلنے والے دھویں کا مسئلہ بھی بہت پیچیدہ ہے۔ بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ دھویں کے اخراج کو کنٹرول کرنا بہت آسان ہے۔ بس ایک قانون نافذ کردو اور مسئلہ حل ہوجائے گا' لیکن اس ضمن میں سب سے پہلا سوال تو یہی پیدا ہوتا ہے کہ کسی سطح پر دھویں کے اخراج کو صحت عامہ کے لئے مضر قرار دیا جائے گا؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں این ای کیو ایس کی جانب دیکھنا ہوگا جو حال ہی میں نافذ کیا گیا ہے۔

اب جبکہ قومی ماحولیاتی معیارات کا تعین ہوچکا ہے۔ تحفظ ماحول کے ادارے اور ٹریفک پولیس کو ایک دو مرحلوں کے عمل کے ذریعے ان معیارات کو نافذ کرنا چاہئے۔ پہلے باقاعدہ طور پر ٹریفک چیکنگ کی جائے جس میں برائے نام جرمانوں کے بجائے تعزیری جرمانے کئے جائیں دوسرے گاڑیوں کو سالانہ بنیاد پر فٹ نیس سرٹیفکیٹ جاری کئے جائیں۔ فٹ نیس کے لئے چیکنگ ان نامزد کردہ سروس اسٹیشنوں اور گیراجوں میں کی جائے جہاں چیکنگ کے لئے تربیت یافتہ عملہ اور آلات اور سازوسامان موجود ہو۔ چیکنگ کی پرائیویٹائزیشن دو وجوہات کی بناء پر ضروری ہے۔ اولاً" اس لئے کہ ٹریفک پولیس کی توجہ ٹریفک کی روانی کو باقاعدہ بنانے کی ڈیوٹی سے نہ ہٹے' دوسرے اس لئے کہ سرکاری مشینری پر گیراج اور سروس اسٹیشن بنانے کا بوجھ نہ پڑے کیونکہ اس سے پھر کرپشن ہونے لگے گی۔ چند برس سڑکوں پر چلنے کے بعد اگر مناسب دیکھ بھال نہ کی جائے تو گاڑیاں زیادہ دھواں دینے لگتی ہیں۔ لہٰذا پرانی گاڑیوں کے لئے فٹ نیس کی تصریحات اور زیادہ سخت ہونی چاہئیں تاکہ وہ تحفظ کے معیارات کے مطابق ہوں۔

گاڑیوں سے نکلنے والے دھویں کا ایک سبب ملاوٹ شدہ ایندھن اور تیل کی دستیابی اور استعمال ہے۔ ملاوٹ کی سب سے بڑی وجہ قانون کا کمزور نفاذ ہے جس میں تعزیری کارروائی کے مقابلے میں منافع زیادہ ہوتا ہے ایندھن میں ملاوٹ کے خاتمے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فٹ نیس چیکنگ کے عمل میں آئل کمپنیوں کو بھی شریک کرلیا جائے اور ان کے نمائندوں کو اعزازی مجسٹریٹ کا درجہ دے دیا جائے۔ بہرحال اس میں آئل کمپنیوں کا بھی مفاد ہے کہ ان کے برانڈ ناموں سے فروخت ہونے والی مصنوعات معیار کے مطابق ہوں کیونکہ اگر ملاوٹ شدہ مصنوعات فروخت ہوں گی تو انہی کا مالی نقصان ہوگا۔

یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ ایندھن میں گندھک اور سیسہ کے اجزاء نقصان دہ ہوتے ہیں، ۱۹۹۴ء میں "شہری" نے ریفائنریوں اور آئل کمپنیوں کے ساتھ میٹنگ کی تاکہ وہ آئندہ چند برسوں میں ایسے ایندھن متعارف کرائیں جن میں سلفر اور لیڈ کی مقدار کم ہو۔ اتفاق رائے سے جو معیارات طے پائے تھے وہ نظام اوقات کے ہمراہ عملدرآمد کے لئے وزارت پیٹرولیم کو بھیجے دیئے گئے تھے۔ لیکن ریاست کے پیوستہ مفادات کی وجہ سے ان پر عمل نہیں ہو سکا۔ یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ (سوائے پاکستان اسٹیٹ [illegible]ل) بیشتر آئل کمپنیاں اور ریفائنریاں صاف ستھرا ایندھن فراہم کرنے کی خواہش مند ہیں۔ لیکن ریاستی عہدیداران کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ ایندھن درآمد کرنے پر انہیں بھاری کمیشن ملتا ہے۔

دھویں کے اخراج کو کم کرنے کا ایک واضح طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سڑکوں پر چلنے والی گاڑیوں کی تعداد کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اس کے لئے پہلے پبلک ٹرانسپورٹ سسٹم کو بہتر بنانا ہو گا تاکہ عوام کے لئے نقل و حمل کی سہولتوں کو یقینی بنایا جا سکے۔ کراچی میں چلنے والی دس لاکھ سے زائد گاڑیوں میں سے اندازاً" چھ فیصد گاڑیاں پبلک ٹرانسپورٹ کے لئے استعمال ہوتی ہیں جبکہ باقی ماندہ گاڑیاں نجی شعبے کی ہوتی ہیں۔

پبلک سیکٹر میں چلنے والی پچاس سے ۷۰ ہزار گاڑیوں میں ۲۲ ہزار رکشے ہیں جو نہ صرف دھواں بلکہ شور کی آلودگی پیدا کرتے ہیں اور فی کس فی کلومیٹر سب سے زیادہ ایندھن استعمال کرتے ہیں۔ اگر ہم اس حقیقت پر غور کریں کہ ایک بس تقریباً" سو مسافر لے جا سکتی ہے جبکہ اس کے برعکس مسافروں کی اتنی ہی تعداد کو لے جانے کے لئے پچاس رکشے درکار ہوں گے جو کہ ٹریفک کی روانی میں بھی خلل کا باعث ہوں گے، اس کا یہ بھی مطلب ہوا کہ کراچی کے ۲۲ ہزار رکشوں کے تمام مسافروں کی نقل و حمل کے لئے صرف ۴۴۰ بسیں درکار ہوں گی۔ لہٰذا ہمیں ایسی پالیسیاں وضع کرنی چاہئیں جن سے پبلک ٹرانسپورٹ کی بڑی گاڑیوں کے استعمال کی حوصلہ افزائی ہو، اس کے لئے کرایوں، درآمدی ڈیوٹی کے ڈھانچے اور روڈ ٹیکس میں مناسب چھوٹ دی جانی چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے شہروں میں رکشہ پرمٹوں کے اجراء کو روکنا چاہئے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے کہ وہ چھوٹے شہروں میں منتقل ہو جائیں جہاں ٹرانسپورٹ کی سہولتوں کی کمی ہے۔

دھویں کے اخراج میں کمی اس سوچی سمجھی جامع حکمت عملی کا ایک حصہ ہونا چاہئے جس کا مقصد پبلک ٹرانسپورٹ، سڑکوں کے نظام، ٹریفک کے انتظام کو بہتر بنانا، موجودہ سرکلر ریلوے کی اصلاح اور ماس ٹرانزٹ لائٹ ریل پروجیکٹ جیسے منصوبوں کی جلد از جلد تکمیل ہونا چاہئے۔ ٹریفک پولیس اور ٹریفک انجینئرنگ بیورو کی مالی ضروریات پر پوری توجہ دی جانی چاہئے۔ ٹریفک کے انتظام کے لئے ضروری سازوسامان اور تربیت یافتہ افرادی قوت فراہم کی جانی چاہئے۔ اگر ہم یہ توقع رکھیں کہ ہمارے کم تنخواہ پانے والے، کم تعلیم یافتہ ٹریفک کانسٹیبل بھی ترقی یافتہ ملکوں کے ٹریفک کانسٹیبل کی طرح اپنے فرائض بطریق احسن انجام دیں تو ہمیں اس امر کو یقینی بنانا ہو گا کہ پولیس ڈپارٹمنٹ کی تمام ضروریات پوری کی جائیں۔ یہ کام نجی گاڑیوں پر روڈ ٹیکس میں اضافے کے ذریعے کیا جا سکتا ہے کیونکہ سڑکوں کے نظام کو سب سے زیادہ نجی گاڑیاں ہی استعمال کرتی ہیں اور وہی سب سے زیادہ دھواں خارج کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ پبلک اور پرائیویٹ ٹرانسپورٹ کا فرق واضح ہے، پرائیویٹ ٹرانسپورٹ ایک چھوٹا اپر اور مڈل کلاس طبقہ استعمال کرتا ہے جبکہ آبادی کا ایک بڑا حصہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتا ہے۔

ٹریفک انتظام کے فقدان، ڈرائیونگ کی خراب عادتوں، سڑکوں پر تجاوزات اور کارپارکنگ کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے گاڑیوں کو ضرورت سے زیادہ مدت کے لئے چلنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے نکلنے والے دھویں کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کے حل کا تقاضہ ہے کہ اس کام کو صرف ٹریفک پولیس، ٹریفک انجینئرنگ بیورو اور ای پی اے پر نہ چھوڑا جائے بلکہ سب کو اس مسئلے کے حل کے لئے مل جل کر بھرپور کوشش کرنی چاہئے۔

اگر شہری ایک صاف ستھرا ماحول چاہتے ہیں تو انہیں اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے اور اس کے لئے سرگرمی سے کام کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ شہریوں کو اس کے لئے آمادہ کرنے کے لئے سیاسی اور انتظامی عزم کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں پبلک ٹرانسپورٹ کے کرایوں کا غیرحقیقت پسندانہ ڈھانچہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو اس پورے بحران کو مزید بڑھا رہا ہے۔ اس کا ہنگامی طور پر جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اس کی ایک نمایاں مثال سرکلر ریلوے ہے جو کئی وجوہات کی بناء پر فرسودہ اور ناکام ہو چکی ہے، ان میں ایک بڑی وجہ مالی وسائل کی کمی ہے۔ اسی طرح پبلک ٹرانسپورٹ کے کرایوں کا تعین انتظامیہ کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے آپریٹرز کا منافع کم ہوتا ہے جو کہ غیرمنصفانہ بات ہے۔ سال کے دوران سالانہ بجٹ ہوتا ہے لیکن منی بجٹوں، روپے کی ڈی ویلیوایشن، ایندھن کی قیمتوں میں آئے دن اضافوں کی وجہ سے مہنگائی بڑھتی رہتی ہے اور پبلک ٹرانسپورٹ کے کرایوں کا ڈھانچہ اس مہنگائی کا ساتھ نہیں دے پاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ٹرانسپورٹ چلانے والے اپنی گاڑیوں کی دیکھ بھال پر کم سے کم رقم خرچ کرتے ہیں۔ دیکھ بھال اور مینٹی نینس میں کمی کی وجہ سے گاڑیاں زیادہ دھواں دیتی ہیں اور پوری آبادی اس سے متاثر ہوتی ہے۔ ✤✤

پبلک سیکٹر میں چلنے والی پچاس سے ستر ہزار گاڑیوں میں بائیس ہزار رکشے ہیں جو نہ صرف دھواں بلکہ شور کی آلودگی بھی پیدا کرتے ہیں اور فی کلومیٹر سب سے زیادہ ایندھن استعمال کرتے ہیں

مجھے زندہ رہنے دو
مجھے ہنستا رہنے دو

ہماری یہ زمین جوکہ قدرت کی صناعی کا بہترین شاہکار اور انسان کے وجود کا واحد مرکز ہے' بلند وبالا پہاڑوں' سرسبز میدانوں' گیت گاتے چشموں' دریاؤں اور آبشاروں' وسیع و عریض ریگستانوں' رنگ برنگے پھولوں اور خوبصورت پرندوں سے سجی تھی اور یہ سب کچھ خالق حقیقی نے صرف انسان ہی کے لئے بنایا اور اس دنیا کو سجایا تھا لیکن انسان بڑا ناقدرا نکلا اور اس نے اپنی حسین دنیا کی قدر نہ کی اور اسے خود اپنے ہاتھوں سے برباد کرنا شروع کردیا گوکہ ان میں اکثر چیزیں اب بھی موجود ہیں مگر وہ اپنی اصل خوبصورتی اور رعنائی کھوچکی ہیں۔ کل جہاں سبزہ ہی سبزہ اور درخت' پھول' پودے ہوا کرتے تھے جو انسان کے لئے تازہ ہوا اور خوشگوار ماحول میسر کرتے تھے اس نے آج ان سب کو ختم کرکے ان کی جگہ ملیں' فیکٹریاں تعمیر کردیں جو اس کی زندگی کے لئے زہریلی ہوا اور زہریلا مواد پیدا کرتی ہیں۔ گیت گاتے دریا اور اٹھلاتے ہوئے سمندر جو اس کے لئے غذا' معدنیات اور پینے کا صاف پانی مہیا کرتے تھے۔ انسان نے اس کو بھی گدلا اور زہریلا کرلیا اور خود اپنی غذا (مچھلی' جھینگے وغیرہ) کو ختم کرنا شروع کردیا۔ آکسیجن جوکہ انسانی زندگی کے لئے نہایت اہم اور لازمی ہے اور جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ہی نہیں' لیکن واہ رے انسان' اس نے اس کا بھی نہ چھوڑا اور ٹریفک کے دھوئیں' گرد وغبار' فیکٹریوں اور ملوں سے نکلنے والی زہریلی گیسوں سے زہریلا کرکے اپنی زندگی میں طرح طرح کی نئی' جان لیوا اور لاعلاج بیماریوں کا اضافہ کرلیا غرض یہ کہ یہ خوبصورت زمین جوکہ کل تک سجی سنوری اور بے حد حسین ہوا کرتی تھی' آج گرد وغبار' کچرے کے ڈھیروں اور گندے پانی سے بھر گئی اور درختوں' پودوں اور صفائی کی شدید قلت کے باعث بارش جوکہ کھیتوں' پودوں' چرندوں و پرندوں کے لئے نہایت ضروری ہے ہونا کم ہوگئی اور دنیا انسان کے آگے اپنی زندگی کی فریاد کرنے لگی کہ

"مجھے زندہ رہنے دو-- مجھے ہنستا رہنے دو"

پھر کچھ لوگوں میں اس بات کا شعور بیدار ہوا کہ ہماری یہ دنیا تباہی و بربادی کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ہماری زندگی کا دارومدار دنیا کی زندگی پر ہی منحصر ہے۔ اگر یہ باقی نہ رہی تو ہم بھی باقی نہ رہیں گے اور انہیں لوگوں میں سب سے بڑی تعداد طلباء کی تھی۔ انہوں نے اس بات کا احساس صرف اپنے اندر ہی نہیں بلکہ اور لوگوں کے اندر بھی جگانے کی کوشش کی اور دنیا کو تباہی سے بچانے کی عملی کوششیں بھی کیں۔

ہمارے اسکول یعنی (ولیج ہاؤس گرلز سیکنڈری اسکول) کی طالبات نے بھی اس شعور کو بیدار کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ہماری پرنسپل نے "ارتھ ڈے" کے موقع پر اس دن کو منانے کا اہتمام کیا۔ ہمارے اسکول کی پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک ہر ایک نے بھرپور حصہ لے کر اس پروگرام کو کامیاب بنایا۔ ہم نے اس موقع پر تصویروں' ماڈلز اور تقریروں کے ذریعے آنے والے مہمانوں میں اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کی کہ ہماری دنیا کیوں تباہ ہورہی ہے اسے کس طرح بچایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر درختوں کے فوائد اور اس کو کاٹنے کے نقصانات' جنگوں اور جدید ہتھیاروں سے ہونے والی خرابیاں' سب سے بڑا اور شاندار ماڈل میٹرک جماعت کی طالبات نے اپنی کلاس ٹیچر کی زیرنگرانی اوزون لیئر کے موضوع پر بنایا جوکہ پورے آلودگی کے اسباب اور نقصانات کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا اور یہ بتارہا تھا کہ اگر اوزون کو تباہ ہونے سے نہ روکا گیا تو انسانی اور حیوانی دونوں قسم کی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ غرضیکہ ہمارے اسکول نے اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔

آخر میں' میں آپ سب کو بھی یہ پیغام دینا چاہوں گی کہ اگر اپنی زندگی کو محفوظ اور خوبصورت بنانا چاہتے ہیں تو اپنی اس دنیا کو ہر طرح کی آلودگی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور زیادہ سے زیادہ درخت لگاکر اسے خوبصورت بنانے کی کوشش کریں اور وہ تمام احتیاطی تدابیر سختی سے بروئے کار لائیں جس سے اگر آلودگی ختم نہ بھی ہوگی پھر بھی بڑی حد تک کم ضرور ہوجائے گی۔

مرسلہ: شمائلہ سعید

ماحولیاتی آلودگی فطرت کے حسن کو تباہ کررہی ہے

ماحول' گھر' پبلک مقامات اور سماجی مقامات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اتنا بڑا' روشن اور خوبصورت بنایا' لیکن انسان اسے تباہ و برباد کردینے کی ہرممکن کوشش کررہا ہے' ماحولیاتی آلودگی نے اس خوبصورت دنیا کو تباہی کے کنارے پر لاکھڑا کیا ہے۔ جنگلات کی کٹائی شہروں کا پھیلاؤ اور کسی کنٹرول کے بغیر صنعت کاری آلودگی کی بڑی وجوہات ہیں۔ بدقسمتی سے یہ مسائل خود انسان کے پیدا کردہ ہیں۔ فطرت کو تباہ کرنے کے جرم میں نام نہاد ترقی یافتہ اور مہذب ممالک براہ راست ملوث ہیں۔ لہٰذا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ "اپنی فطرت کا تحفظ کرو کیونکہ یہی ذریعہ حسن ہے۔"

زہریلی گیس اور گاڑیوں کا دھواں بھی ہمارے ماحول کو آلودہ کررہے ہیں۔ یہ گیس اوزون کی تہہ کو بھی نقصان پہنچا رہی ہیں جو ہماری زمین کو نقصان دہ تابکاری سے محفوظ رکھتی ہے۔ کھاد اور کیڑے مار ادویات کے ضرورت سے زیادہ استعمال سے زمین کی زرخیزی متاثر ہورہی ہے۔ عرصہ حیات مختصر ہوتا جارہا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی نہ صرف فطرت کے حسن کو تباہ کرتی ہے بلکہ کئی بیماریوں کا باعث بھی بنتی ہے۔ لہٰذا اگر ماحول کو مزید نقصان پہنچنے سے روکنا ہے تو ہمیں ماحول پر توجہ دینے کے لئے ہمیں سرمایہ کاری کرنا پڑے گی۔ اب دنیا بھر میں کئی ممالک میں ماحول کے تحفظ کے لئے کئی عمل شروع کئے جاچکے ہیں۔ لہٰذا ایک ترقی پذیر ملک کی حیثیت سے ہمیں بھی ایک صحت مند ماحول کے قیام کے لئے حفاظتی اقدامات کرنے ہوں گے۔

غزالہ شاہد' دہم بی

کراچی کے ساحلوں کی دولت

ضرورت سے زیادہ مچھلیوں کے شکار اور آلودگی کی وجہ سے کراچی کی بیش بہا بحری حیات کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔ سید عزیز آغا بحیرہ عرب کے اسپورٹس فشنگ ٹورنامنٹ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ہر سال منعقد ہونے والے اس مقابلے کا مقصد ہمارے سمندری وسائل کے تنوع اور ان کے تحفظ کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

کراچی کے ساحلی علاقے بحری حیات کے خزانوں سے مالا مال ہیں۔ ان پانیوں میں شکار کی جانے والی مچھلیوں کی بہت سی اقسام پائی جاتی ہیں۔ مقامی اور غیر ملکی اینگلرز کراچی کے ساحلوں پر سمندری اسپورٹس فشنگ میں بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتے ہیں۔

حال ہی میں اینگلو محمد علی نے پاکستان میں اسینگلنگ کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ انہوں نے ایک دھاری دار مرلین کا شکار کیا جس کا وزن ۱۵۰ پونڈ تھا انہوں نے یہ مچھلی راڈ اور ریل کی مدد سے "عربین سی اسپورٹس فشنگ ٹورنامنٹ" کے دوران پکڑی یہ یہ ٹورنامنٹ ۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء کو منعقد ہوا تھا۔ ٹورنامنٹ کا اہتمام آغاز اسپورٹ فشنگ نے کیا تھا۔

ہمیں اپنے سمندر میں پائی جانے والی طرح طرح کی بحری حیات کی قدر کرنا چاہئے اور ان قیمتی وسائل کے تحفظ کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں۔

ساحلی علاقوں کے مسائل

☆ سب سے زیادہ ہمہ گیر اور سنگین مسئلہ آلودگی اور بغیر ٹریٹ منٹ کے سیوریج کا پانی سمندر میں بہا دینا اور زمین کے کٹاؤ اور صفائی کی وجہ سے سمندر میں آنے والی مٹی کی تہہ جمنا ہے۔

☆ آلودگی اور ساحلی ترقی کے نام پر دلدلی علاقوں اور مینگرووز کی تباہی کے سبب ساحلی علاقوں میں بحری حیات کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ کیونکہ یہ ایکولاجیکل سسٹم بحری حیات کے لئے غذا اور افزائش گاہ کا کام دیتے ہیں اور ان سے ساحلی علاقوں میں ہائیڈرولوجی کے نظام کو مستحکم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

☆ تیل گرنے اور جہازوں سے تیل رسنے' آف شور ڈرلنگ پلیٹ فارمز' زرعی فضلے (کیڑے مار اور جڑی بوٹیاں تلف کرنے والی ادویات) کے سمندر میں بہہ کر آنے سے بحری حیات کے ماحول کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

☆ کچرے میں پھینکے جانے والی پلاسٹک' ناکارہ مچھلی کے جال اور دیگر سامان کو سمندر میں پھینکنے سے بحری پرندوں اور ممالیہ کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

✤ ✤ ✤

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

"شہری" میں شمولیت اختیار کیجئے

اگر آپ "شہری" میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔

شہری برائے بہتر ماحول

206 جی۔ بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس' کراچی 75400۔ پاکستان

ٹیلی فون / فیکس۔ 92-21-4530646

e-mail/address: Shehri @ - Shehri. a. khi. brain.net.pk

نام ________ ٹیلی فون (گھر) ________

ایڈریس ________

پیشہ ________ ٹیلی فون (دفتر) ________

شہری کی رکنیت

1997ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ شہری میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے' صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

صاف پانی ایک نعمت ہے

پانی ہر زندہ اور سانس لینے والی چیز کے لئے ضروری اہمیت کا حامل ہے اسی سے پھل اور پھول اگتے ہیں۔ اگر ذرا سی نظر دوڑائی جائے تو پانی کا تصور ہمارے ذہن میں کچھ اس طرح سے آتا ہے۔

- ○ پانی سے ہمیں ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔
- ○ بہتا ہوا پانی بہت بڑی توانائی اور قوت ہے کیونکہ اس کے زور سے بجلی بنتی ہے اور بڑی بڑی مشینیں چلتی ہیں۔
- ○ اس میں جہاز چلتے ہیں۔
- ○ ہماری خوراک کا یہ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔
- ○ اگر پانی بارش کی صورت میں ہم تک آئے تو ہم لطف اندوز ہوتے ہیں۔
- ○ بارش کے وقت زمین کے اندر پانی جذب ہو جاتا ہے جو زمین میں جذب نہیں ہوتا وہ جب ندی نالوں کی صورت میں بہتا ہے تو عجیب نظارہ پیش کرتا ہے۔
- ○ پانی ہمیں کنوؤں' ندی نالوں اور دریاؤں وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے۔ سمندر کا پانی عام طور پر پینے کے قابل نہیں ہوتا کیونکہ یہ کڑوا ہوتا ہے۔

پانی کو چونکہ ہماری زندگی میں اس قدر اہمیت حاصل ہے اگر اس کی صفائی کا خیال نہ رکھا جائے تو اس سے ہمیں سنگین نتائج سے دوچار ہونا پڑتا ہے یعنی گندے پانی کے اثرات سے پیٹ' سانس اور آنکھوں کی بیماریاں بہت جلد پیدا ہو جاتی ہیں۔

پانی کو صاف رکھنے اور اسے آلودگی سے بچانے کے لئے ہمیں چاہئے کہ

- ☆ ہم صاف پانی کے قریب گندگی نہ ڈالیں
- ☆ اپنے کنوؤں کو ڈھانپ کر رکھیں
- ☆ جو پانی پینے کے لئے ہو اس میں نہانے اور کپڑے دھونے سے پرہیز کریں
- ☆ جس جگہ آپ پینے والے پانی کو جمع کرتے ہیں اسے ایک مقررہ مدت کے بعد صاف کریں
- ☆ پانی کو ہمیشہ ابال کر پیئیں

پینے کے پانی کے علاوہ اگر دوسرے پانی کو بھی صاف نہ رکھا جائے تو اس سے بھی ہماری صحت پر برے اثرات پڑتے ہیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ پانی کو آلودگی سے بچائیں اور صاف پانی کے استعمال کو یقینی بنا کر اپنے اپ کو تندرست و توانا رکھیں۔

(بہ شکریہ۔ پندرہ روزہ ہماری دنیا)

ماحول کو آلودگی سے بچائیں

ماحول یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو ہم آئے دن سنتے رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جو تصورات اور حقائق کے ایک وسیع علاقے کا احاطہ کرتی ہے۔ ماحول' طبعی' کیمیائی اور حیاتیاتی حقائق کا ایک پیچیدہ مرکب ہے۔ جو نہ صرف ایک آرگنزم پر بلکہ پوری ایکولوجیکل کمیونٹی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

آج دنیا بھر میں ماحول کے تحفظ کے لئے تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہم خود ہی اجتماعی طور پر اپنی قبریں کھود رہے ہیں' ہم خود آلودگی کا زہر پیدا کر رہے ہیں جو بتدریج آہستہ آہستہ دیمک کی طرح ہمارے ماحول کو چاٹ رہا ہے' بدقسمتی یہ ہے کہ جدید دور سے تعلق رکھنے والے لوگ جان بوجھ کر خون کو نقصان پہنچا رہے ہیں' انہیں اس حقیقت کا احساس بھی نہیں ہو رہا ہے کہ اس عمل کے ذریعے وہ خود اپنے مستقبل کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں خود سے یہ سوال کرنا چاہئے کہ ہم سرسبز زمین چاہتے ہیں یا ایک تاریک صحرا؟ ظاہر ہے کہ ہم ایک سرسبز زمین چاہتے ہیں تو پھر ہم اس خوبصورت دنیا کو ایٹمی دھماکوں کے تجربات کے ذریعے کیوں تباہ کر رہے ہیں۔ ایٹمی فضلے کو سمندروں میں کیوں ٹھکانے لگا رہے ہیں اور تباہ نہ ہونے والے پلاسٹک' ربر اور دیگر مصنوعات کیوں تیار کر رہے ہیں جو اس دنیا کے مستقبل اور نئی نسلوں کی بقا کی قیمت پر انسانوں کے کام آ رہی ہیں۔

ماحول ہم پر ایسے ہی اثر انداز ہوتا ہے جیسے ہم ماحول پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ زمین جو ہمیشہ حرکت میں رہتی ہے ہمیشہ گردش میں اور بدلتی رہتی ہے خلاء کی وسیع تاریکیوں میں گھومتی رہتی ہے پوری کائنات میں منفرد اور یکتا ہے میں اس پس منظر میں یہ اشعار پیش کرنا چاہتا ہوں۔

لوگ بیمار ہیں
بچوں کے چہرے زرد ہیں
فضا آلودہ ہے
اور یہ ایک دردناک کہانی ہے
آیئے سر جوڑ کر بیٹھیں
ان مسائل کا حل ڈھونڈیں
تاکہ ماحولیاتی آلودگی کا خاتمہ ہو

(صدف یونس)

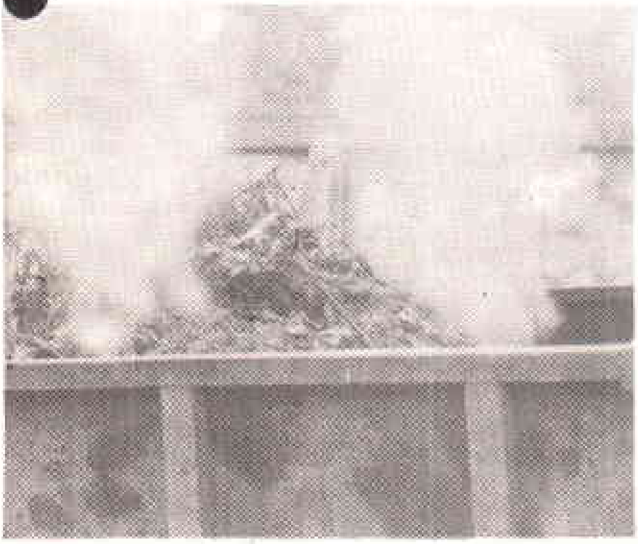

پروفیسر ڈاکٹر زاہد بخش قمر

کوئٹہ

جو کبھی صحت افزا مقام تھا

ئٹہ (بلوچستان) جو کبھی ملک کا صاف ستھرا اور صحت افزا مقام ہوتا تھا اور آج کل ماحولیاتی آلودگی کے باعث اب اس شہر کے باسی کئی اقسام کی بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ شہر پر دھوئیں نے اپنی چادر تان رکھی ہے۔ جناح روڈ، قندھاری بازار، زرغوں روڈ، پرنس روڈ، لیاقت بازار، مشن روڈ، سرکلر روڈ پر دھواں اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ کم فاصلے پر بھی کوئی چیز مشکل سے دکھائی دیتی ہے اس دھوئیں کی بڑی وجہ موٹر گاڑیاں بالخصوص رکشہ ہیں جو شہر بھر میں دھوئیں کے بادل بنانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ دھواں دینے والی ں کے خلاف کارروائی شاید ٹریفک پولیس اپنی ذمہ داری میں شامل نہیں سمجھتی منارہ چوک، میٹرن چوک، ریگل چوک، جکاشن، سائنس کالج، برنس روڈ چوک، ڈبل روڈ پر گاڑیاں اور رکشے وغیرہ ٹریفک پولیس کے اہلکاروں کو دھوئیں کے بادل میں گم کر کے بڑی آزادی سے گزر جاتے ہیں۔ اس منظر کا نظارہ ہر شہری بڑی آسانی سے کرتا ہے۔

فاطمہ جناح ٹی بی سینی ٹوریم کے چیف اسپیشلسٹ ڈاکٹر کرم شاہ اور ڈاکٹر نوید حفیظ صدیقی نے ماحولیاتی آلودگی کو انسانی خدمات کے لئے انتہائی مضر قرار دیتے ہوئے کہا کہ سانس کی تکالیف اور الرجی جیسی بیماریوں کی بڑی وجہ ہے انہوں نے کہا کہ آلودگی سے پھیپھڑوں کے کینسر کی شکایت ہو سکتی ہے۔

سول اسپتال کوئٹہ کے (ای این ٹی) اسپیشلسٹ ڈاکٹر مشتاق حسین نے بتایا کہ ماحولیاتی آلودگی ناک اور گلے کی قوت

مدافعت کو کم کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ کوئٹہ میں آواز بیٹھ جانے کی شکایت عام ہو رہی ہے۔

چائلڈ اسپیشلسٹ ڈاکٹر منظور احمد نے کہا کہ آلودگی بچوں کے لئے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ ان میں قوت مدافعت بڑوں کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے انہوں نے کہا کہ گلی، محلوں میں لگے کارخانوں اور ٹریفک سے پیدا ہونے والا شور بھی آلودگی کی ہی ایک قسم ہے جو کہ آہستہ آہستہ ہمارے کانوں کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

اس طرح بس اڈوں، ہوائی اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں کے قریب رہنے والوں کی قوت سماعت کم ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کو صاف سنائی نہیں دیتا کیونکہ انسانی کان ۹۰ ڈیسی بل تک آواز بغیر تکلیف کے سن سکتا ہے جبکہ اس سے اوپر شور انسانی صحت کے لئے مضر ہے بلکہ شور سے خون میں کولسٹرول بڑھ جاتا ہے جو دل کی بیماری کا سبب بنتا ہے۔ مگر ہم شور کو کم کرنے کے بجائے بڑھا رہے ہیں۔ مسجدوں، بازاروں، اسمبلیوں میں، ہوٹلوں میں، تقریبات میں شور ہر جگہ شور ہی شور ہے جلسے، جلوس، ہنگامے اور ہجوم ہر طرف شور ہی شور۔

نظامت صحت بلوچستان کے ڈپٹی ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد عظیم کی قیادت میں ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے تھانہ روڈ، وزیر روڈ، صرافہ بازار میں روئی دھنتے والی مشینوں کی دکانوں کے معائنے کے بعد جو رپورٹ مرتب کی اس سے نہ صرف مشینوں پر کام کرنے والے مزدوروں کی حالت زار ان کی صحت کو درپیش خطرات بلکہ اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مختلف ماحولیاتی آلودگی میں کس قدر اضافہ کر رہی ہے۔ اسی طرح کوئٹہ کے ان علاقوں کی حالت زار کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جہاں چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں موجود ہیں مثلاً اے ڈی مارکر، ادویات کی فیکٹری آبادی کے عین وسط میں ہے۔

کوئٹہ کی آبادی میں حد سے زیادہ اضافہ بھی ماحولیاتی آلودگی کا ایک سبب ہے جس کے باعث قدرتی وسائل پر بوجھ بڑھ رہا ہے اور خوراک کی کمی ہو گئی ہے۔ زیر زمین پانی کی سطح نیچی ہو گئی ہے، بے گھر اور بے روزگار افراد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ نیز کوئٹہ میں جگہ بہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے نظر آتے ہیں جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے وہاں زمین آلودہ ہوتی ہے جو سیم اور تھور سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

شمس فرخ

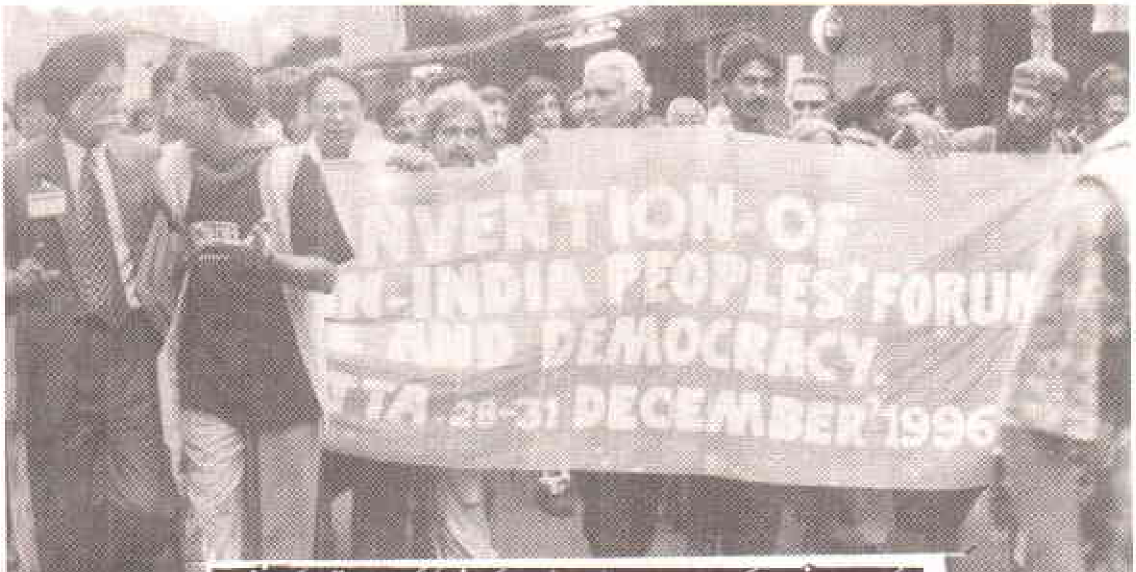

پاک انڈیا فورم کے زیر اہتمام مغربی بنگال کے شہر کلکتہ میں تیسرا کنونشن

کلکتہ میں کبھی اتنے پاکستانی اکھٹے نہیں ہوئے

بعض اخبارات نے کنونشن میں شرکت کرنے والے پاکستانی وفد پر "را" کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا

پاکستان 'بھارت فورم برائے امن و جمہوریت کے پاکستانی صدر دفتر لاہور سے ایک خط موصول ہوا ہے۔ لکھا ہے "گزشتہ دسمبر کے اواخر میں کلکتہ میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں آپ کی شرکت یقیناً ایک گرانقدر موقع تھا۔ توقع ہے کہ یہ سفر تجربے اور بھارتی وفد کے ارکان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے حوالے سے بہت مفید رہا ہوگا۔"

جی ہاں۔ اس سفر کے دوران یہ احساس ہوا کہ ہم بہت سے مواقع اپنی کوتاہیوں اور بد نظمی کی نذر کردیتے ہیں۔ ہم موقع کی مناسبت سے آداب و قرائن بروئے کار لانے سے قاصر رہتے ہیں۔ ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہمارے کچھ اقدام ہمارے اور ملک کے لئے سبکی کا باعث بن سکتے ہیں۔

کلکتہ میں منعقد ہونے والی کنونشن 'دہلی اور لاہور کے بعد 'اس سلسلے کی تیسری کڑی تھی۔ فورم کے سربراہان کے بقول تین سال قبل پاکستان اور ہندوستان کے چند دانشوروں نے باہم مل کر یہ فیصلہ کیا کہ دونوں ممالک کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی کو عوامی سطح پر کم کرنے کے لئے کچھ سلسلہ ہونا چاہئے۔ بہرحال اسے روشن خیال طبقوں میں سراہا گیا اور تعاون کی پیشکش ہوئی تھی۔ دہلی کنونشن (فروری ۹۵ء) میں پاکستان کے ممتاز دانشور 'ادیب' صحافی 'کالم نویس 'فنکار 'ٹریڈ یونینوں کے ارکان اور زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہل فکر اور اہل عمل نے شرکت کی تھی۔ نومبر ۹۵ء میں ہندوستان سے آنے والے وفود نے بھی اپنے ملک کی بھرپور نمائندگی کی۔ ہردو موقعوں کے دوران منعقد ہونے والے اجلاس میں ایجنڈے پر جو امور سرفہرست تھے وہ ہیں مسئلہ کشمیر 'مذہبی نارواداری 'اسلحہ کاری اور طرز حکومت

یہ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس نوعیت کے حساس موضوعات پر دونوں ممالک کے ممتاز شہریوں نے کھل کر اپنا عندیہ بیان کیا۔ دہلی کنونشن میں شرکت کے بعد لوٹے تو ہمارے بعض اخباروں نے اس اقدام کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ پاکستان کے وفود پر را کے ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا گیا۔ کچھ لوگ ملتے تو سوال کرتے وہاں کون کون گیا تھا۔ سفری اخراجات کس نے برداشت کئے۔ وہ اس پر یقین کرنے کو تیار نہ تھے کہ کچھ ایسے سرپھرے بھی ہیں جو کسی عظیم مقصد کی خاطر اپنی جیب خالی کردیتے ہیں۔

دہلی کنونشن کے بعد دونوں ممالک کے وفود کے اتفاق سے جو سفارشات پیش کی گئی تھیں وہ ہیں۔

۱) جنگ سے اجتناب برتا جائے۔ دونوں ممالک آئندہ تین برسوں کے دوران اپنی افواج میں ۲۵ فیصد کمی کریں اور اسلحہ کاری پر اخراجات گھٹائے جائیں۔

۲) کشمیر کا مسئلہ جمہوری طریقے سے حل کیا جائے۔

۳) دونوں ملکوں میں انصاف پسند اور روادار معاشروں کو فروغ دیا جائے۔

۴) دونوں ممالک میں تجارتی تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

۵) دونوں ممالک کے درمیان ویزا ختم کیا جائے تاکہ شہری ایک دوسرے ملک میں آزادانہ سفر کرسکیں۔

تقریباً" یہی باتیں لاہور کنونشن میں کی گئیں اور پھر کلکتہ۔۔۔۔۔۔

فورم کے جنرل سیکریٹری (لاہور) نے لکھا ہے کہ کلکتہ کے سفر اور کنونشن کے بارے میں ذاتی رائے اور تبصرہ لکھ کر بھیجیں۔ اس ضمن میں اگر آپ کی کچھ تجاویز ہیں تو وہ بھی ارسال کریں۔ جب یہ فورم قائم کیا گیا تو پاکستان کے ڈاکٹر مبشر حسن اور ہندوستان کے جناب نرمل مکرجی کی "خلق دوستی" پر بہت خوشی ہوئی تھی کہ چلو یہ دونوں حضرات جو اپنے اپنے ملکوں میں سیاست و دانش کی سطح پر ممتاز مقام رکھتے ہیں انہوں نے عمر کے آخری مرحلے میں اس نیک

کام کا آغاز کیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان پڑوسی ملک ہیں۔ اسی طرح جیسے جرمنی اور فرانس ہیں۔ یا فرانس اور برطانیہ ہیں۔ انہوں نے بھی آپس میں جنگیں لڑی تھیں۔ ایک دوسرے کے دشمن رہے ہیں۔ لیکن اب یہ دونوں یورپی برادری کے ارکان ہیں۔ تمام یورپی ممالک کے باشندے ایک دوسرے کے ملک میں آزادانہ سفر کرتے ہیں یہ لوگ اب ایک یورپی کرنسی کی بات کرتے ہیں۔ تو پھر بھلا ہم۔ ہندوستان اور پاکستان دوست کیوں نہیں بن سکتے تاکہ علاقائی امن اور ترقی کو فروغ مل سکے۔

لاہور میں منعقد ہونے والی فورم کی دوسری کانفرنس پر پاکستانی پریس کا رویہ خاصا مثبت تھا۔ نیز ہندوستان کے وفود پر پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیاں زیادہ پریشان نہیں ہوئی تھیں۔ گویا کہ فورم کی "پیش قدمی" کے کچھ مثبت اثرات نظر آنے لگے تھے کہ اور اب بہت سے گروپ "سلسلہ جنبانی" کو آگے بڑھانے کے لئے میدان میں اتر آئے ہیں۔ واہگہ سے اٹاری تک پیدل چلتے ہوئے سرحد پار کرنا ایک بہت ہی جذباتی اور خوشگوار تجربہ تھا۔ جہاں کرنل (ریٹائرڈ) • بھشن سنگھ اور ان کے ساتھی پاکستانی دوستوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھے۔ کرنل • بھشن سنگھ کا خیال تھا کہ دونوں ممالک کے نوجوانوں کو ملایا جائے۔ دونوں ممالک کی خواتین آپس میں مل بیٹھیں۔ انہوں نے اس ضمن میں آئندہ پروگراموں کا بھی ذکر کیا۔ جب ہم کلکتہ میں تھے تو ڈی ٹیلی ویژن کے خبرنامے میں واہگہ اور اٹاری کے درمیانی علاقے میں امرتسر اور لاہور کے شہریوں کی خیرسگالی ملاقات کی جھلکیاں دکھائی جارہی تھیں۔ انہی دنوں کراچی کے ایک اسکول کے طلبہ وطالبات کا ایک وفد مہاراشٹر اور جنوبی ہندوستان کے دیگر علاقوں کی سیاحت پر تھا۔ اور اب امریکی شعبہ اطلاعات (یو ایس آئی ایس) کی جانب سے "سفری مذاکروں" کا اہتمام کیا گیا ہے۔ چند روز قبل ہندوستان سے کچھ صحافی پاکستان آئے۔ مذاکرے میں تبادلہ خیال ہوا اور پھر پاکستان کے منتخب صحافیوں نے ہندوستان کا دورہ کیا۔

ان تمام باتوں کے ذکر کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے باہمی تعلقات کی بہتری اب صرف انہی دونوں ممالک کا ہی معاملہ نہیں رہا۔ اس میں کچھ اور طاقتیں بھی دلچسپی لینے لگی ہیں۔ یہ ایک طویل بحث ہے کہ وہ طاقتیں۔ جو چھوٹے ممالک کو آپس میں لڑا کر اپنے ہاں تیار کئے گئے اسلحے کی مارکیٹیں بناتی تھیں اب یہ ان ممالک میں دوستی قائم کرکے کیا حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ کیا یہی کہ وہ اپنے ہاں کی تیار کی گئی روزمرہ ضرورت کی اشیاء اور دیگر مصنوعات کی منڈیاں قائم کرسکیں اور کثیرالقومی کمپنیوں کے ذریعے چھوٹے اور غریب ملکوں میں کنزیومرازم کو فروغ دیا جاسکے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہندوستان پاکستان اور دیگر جنوب ایشیائی ممالک اپنے معاملے خود طے کریں۔

برسوں پرانی عادت تو یہی ہے کہ کہیں گئے' محض سیاحت کے لئے یا کسی کانفرنس میں شرکت کی خاطر تو واپسی پر سامان رکھا اور قلم

ہم اسلحہ کی دوڑ کی مذمت کرتے رہے وطن واپس لوٹے تو بھارت کے پرتھوی میزائل کی سرگرمیوں کی خبریں چھپ رہی تھیں

اٹھالیا۔ اب کے یہ ہوا کہ کلکتہ کانفرنس میں شرکت کے بعد لوٹے تو عام انتخابات سر پر تھے۔ سو طرح کے جھمیلوں اور کاموں نے گھیر لیا۔ ورنہ لکھنے کو تو بہت کچھ تھا۔

فورم کا خط۔۔ تجاویز مانگی ہیں۔

ہم واہگہ کے امیگریشن سے فارغ ہو کر' اٹاری کے امیگریشن کی نازبرداریاں اٹھا رہے۔ متعلقہ بھارتی افسران نے ہمیں جاتے ہی ڈوٹوک سنادی کہ ہمارے پاس اطلاع نہیں ہے کہ آپ لوگ اس راستے سے ہندوستان میں داخل ہوسکتے ہیں۔ گوکہ بعد میں یہ معاملہ طے ہوگیا۔ خیر اس دوران ہمارے وفد کے ایک معزز رکن منتظمین میں سے ایک کو کہہ رہے تھے "کیا مجھے ان بلاڈی ڈیلی گیٹس سے نجات نہیں مل سکتی۔ مجھے کانفرنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو کلکتہ میں کانفرنس کی افتتاحی تقریب کے بعد بمبئی چلا جاؤں گا جہاں امیتابھ اور جیکی شروف میرا انتظار کررہے ہیں۔"

کلکتہ کا ایک صحافی مجھ سے پوچھ رہا تھا دہلی کنونشن سے کلکتہ کنونشن تک کوئی پیش رفت ہوئی۔

"جی!" کلکتہ کنونشن میں پاکستان سے سو لوگ آئے تھے اور سو لوگ ہی ہندوستان کے تھے۔ لاہور میں کل تعداد ۴۰۰ تھی جبکہ اس بار پاکستان سے ڈھائی سو افراد کو کنونشن میں شرکت کی دعوت تھی۔ پہلے بھارتی سفارت خانے نے ہمیں صرف دہلی کا ایک ہفتے کا ویزا دیا تھا۔ اب کے آٹھ شہروں کا نان رپورٹنگ اور ایک ماہ کا ویزا دیا گیا ہے۔"

سچ پوچھیں کہ ہم نے اسی سہولت کا غلط استعمال کیا۔ امرتسر سے کلکتہ تک ریل سے آنے جانے کے اخراجات ۲۵۰۰ روپے کے لگ بھگ تھے۔ جبکہ فورم کے پاکستانی منتظمین کی جانب سے ۵۲۰۰ روپے وصول کئے گئے۔ یعنی اصل اخراجات کے سو فیصد سے زیادہ سروس چارجز تھے۔ اس سے یہ ہوا کہ جن لوگوں کو اس کنونشن میں شرکت کرنی چاہئے تھی وہ "سفری مہنگائی" کی وجہ سے نہ جاسکے۔ زیادہ تر وہ لوگ گئے جن کے لئے پیسہ مسئلہ نہیں تھا۔ جس نے پیسے دیئے وہ چلا گیا۔ وہ کون ہے۔ کیا کرتا ہے۔ ہندوستان جانے میں اس کی کیا غرض ہے۔ کسی نے یہ نہیں سوچا کہ ایسے لوگوں کو ہمراہ نہ لے کر جائیں جن کی برادری (**کھینے**) کے ارکان روزانہ ہوائی اور بری سفر کرتے ہیں۔

پاکستان سے کل ۱۷۰؍ افراد نے کلکتہ کنونشن میں شرکت کی جبکہ ایک اطلاع کے مطابق پاکستانی وفد کے ۱۷۰؍ افراد کے **جمگھٹے** میں صرف ۲۵-۳۰؍ افراد ہی ایسے تھے جنہیں کانفرنس کی غرض و غایت سے واقفیت اور دلچسپی تھی۔ جو بحث مباحثے میں بات کرنے کے اہل تھے۔ باقی تمام لوگ دوست نوازی' اقرباپروری اور "کاروبار" کے نظارے پیش کررہے تھے۔

پھر یہی ہوتا کہ ہمارے وفد میں شامل بیشتر "محبان تفریح" اجلاس کے دوران ٹہلتے ہوئے باہر نکل جاتے' کلکتہ شہر کی سیاحت کرتے۔ مارکیٹوں اور بازاروں میں خریداری کرتے اور آخری اجلاس تک بڑے بڑے تھیلے اٹھائے لوٹ آتے۔ اسی طرح جب بھارتی منتظمین نے یہ پوچھا کہ آپ لوگ پاکستان سے کلچرل شو کے لئے کیا لے کر آئے ہیں تو ہم بغلیں جھانک رہے تھے۔

یہ سب انتظامی کوتاہیاں تھیں۔ ورنہ پاکستان بھر سے ۱۷۰؍ اہل فکر' اہل علم کا ملنا دشوار نہ تھا۔ مگر ہم نے ویزا کی دستیاب سہولت غیر متعلقہ افراد کو فراہم کردی۔ اس طرح وہ لوگ بھی وفد میں شامل ہوگئے جن کے پست ذہن بھارتی والنٹرز کو اپنا تنخواہ دار ملازم سمجھ رہے تھے۔

باقی صفحہ ۱۸؍ پر ملاحظہ فرمائیں

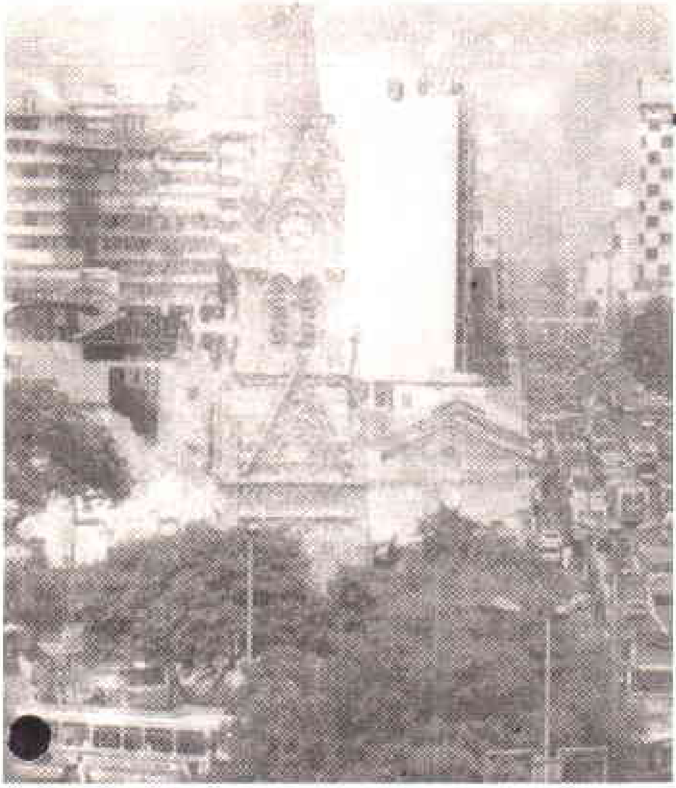

مائی کلاچی مچھیروں کے سردار کی بیوی تھی

کراچو قبیلے کا دعویٰ ہے کہ یہ شہر ابتدا میں ہمارے بزرگوں نے آباد کیا تھا' انہی کے نام پر یہ بستی کلاچی یا کراچی کے نام سے مشہور ہوئی

مائی کلاچی چھوٹی سی بندرگاہ کیماڑی کے کنارے ایک بے نام سے گاؤں میں رہنے والے مچھیروں کے سردار سانول کی بیوی تھی جو کلمتی بلوچ کہلاتے تھے۔ سانول ایک جفاکش اور مہم جو مچھیرا تھا ایک دن ساون کے موسم میں جب سمندر اپنے پورے جنون پر تھا۔ پندرہ دن تک جب سمندر کا زور نہیں ٹوٹا تو مچھیرے فاقہ کشی پر مجبور ہوگئے تو سانول نے دوسروں کے برخلاف اپنی ہلکی سی کشتی سمندر میں اتارنے کا فیصلہ کرلیا۔ کلاچی اور دیگر لوگوں نے اسے روکنے کی حتی الامکان کوشش کی مگر وہ باز نہ آیا۔ بستی والے تین دن تک اس کا انتظار کرتے رہے لیکن سانول کا کچھ پتہ نہ چلا۔ چوتھے دن جب بمبئی سے آنے والے جہاز کے کسی انگریز نے ان کو بتایا کہ گزری بندر کے قریب اس نے ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختے سمندر میں تیرتے دیکھے ہیں۔ کلاچی نے روتے ہوئے ملاحوں کو سانول کی تلاش کے لئے کہا لیکن کوئی بھی ملاح بپھری ہوئی موجوں کا مقابلہ کرنے کی جرات نہیں کرسکا۔ کلاچی ایک ٹوٹی ہوئی کشتی میں سوار ہوکر چڑھتے ہوئے سورج کو عبور کرتی ہوئی تنہا سانول کی تلاش میں سفر کرتی رہی بالاخر زوردار لہروں کا وہ مقابلہ نہ کرسکی اور کسی تیزدھار لہر نے اسے گزری کے ساحل پر لا پھینکا' سانول کو جب یہ پتہ چلا تو وہ اسے سردار گلاب کے گھر لے آیا بستی والے ان دونوں کے ملاپ سے حیران رہ گئے۔ یہ دونوں جب اپنے گاؤں پہنچے تو بستی کے کچھ لوگوں نے کلاچی کے اس کارنامے کو سراہتے ہوئے اسے سردار بنانے کا اعلان کیا اور اپنے گاؤں کا نام اس سے منسوب کرتے ہوئے کلاچی جو گوٹھ رکھ دیا جو بعد میں بگڑ کر کراچی ہوگیا۔

اس کے علاوہ لیاری کھڈہ محلے کے موہانہ قبیلے "کراچو" کا دعویٰ ہے کہ یہ شہر ابتدا میں ہمارے بزرگوں نے آباد کیا۔ ان ہی کے نام پر یہ بستی کلاچی یا کراچی کے نام سے مشہور ہوئی اور ہم اس کے اصل باشندے ہیں۔ ان لوگوں کے مختلف قبیلے ہیں سب سے مشہور قبیلے بندری اور کراچو ہیں۔ اس قوم کے اجداد میں سے ایک بزرگ کا نام "کلاچو" یا "کراچو" تھا اور اس لئے یہ بستی اپنے بسانے والے کے نام پر مشہور ہوئی۔

۱۷۲۹ء میں کلاچی جو گوٹھ آباد کرنے والوں کو یہ اندازہ تھا کہ یہ نئی بدرگاہ چند برسوں میں قزاقوں کی نظر میں آسکتی ہے اس لئے ایک طرف وہ تندہی سے بندرگاہ کی تعمیر میں مصروف ہوگئے اور دوسری طرف انہوں نے اس نئی بستی کے گرد لکڑی اور مٹی سے حفاظتی دیوار کی تعمیر شروع کی یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مٹی کا ایک چھوٹا قلعہ بنالیا۔ تاہم بھوجومل اور اسکے ساتھیوں نے مسقط سے ایک توپ منگواکر فصیل پر نصب کردیا۔ تاکہ حملہ آوروں کو جواب دیا جاسکے مٹی کی دیوار سے تعمیر ہونے والا یہ قلعہ تیس سے پینتیس ایکڑ کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور کہا یہ جاتا ہے کہ اس نئی بستی کی حدیں وہاں تک تھیں جہاں بولٹن مارکیٹ کے ساتھ موجود Rampt Road ہے میٹھادر اور کھارادر اس قلعے کے دو دروازے تھے جن میں ساحل کی طرف کھلنے والا کھارادر یعنی نمکین دروازہ اور لیاری ندی کی جانب کا دروازہ میٹھادر یعنی میٹھادروازہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

کلاچی یا کراچی کا تذکرہ ہمیں ترک کپتان سعید علی کی کتاب "محیط" میں بھی ملتا ہے۔ کپتان سعید ۱۵۵۷ء میں ہندوستان کے لئے روانہ ہوا اس نے لکھا ہے کہ جس وقت سمندری گرداب کی وجہ سے تمہارا جہاز "جاسک" کی طرف جارہا ہو تو تم اپنے جہاز کو اس گرداب سے بچانے کے لئے ساحل مکران سے یا تو بندر کلماٹا یا گوادر کی طرف جاؤ یا پھر بندرگاہ کراشی میں پناہ لو تاکہ تم جاسک میں غرق ہونے سے بچ سکو۔ اس کتاب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کلاچی یا کراشی نام کی قدرتی بندرگاہ آج سے ۴۳۸ برس پہلے بھی موجود تھی کلاچی میں آباد ماہی گیروں کی گزربسر مچھلیوں کے شکار پر تھی یا وہ لیاری ندی کے اطراف میں تھوڑی بہت زراعت اور گلابانی کرتے تھے جو ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی تھی۔ یہ ساحلی بستی جو آج کراچی کے نام سے پہچانی جاتی ہے خان آف قلات کی عملداری میں تھی قلات سے کافی [illegible]نے کی وجہ سے اس کا نظم و نسق مو[illegible] طور پر برقرار نہیں تھا اس لئے عملاً بھوجومل ہی یہاں کا منتظم تھا۔ ۱۷۳۷ء میں کراچی کے علاقے پر کلہوڑوں نے یورش کی اور اس پر قبضہ کرلیا۔ ۱۷۸۵ء میں جب خان آف قلات کے نسبتی بھائی کو سندھ میں قتل کردیا گیا تو خوں بہا کے طور پر کراچی کا ساحلی علاقہ پھر خان قلات کے وسیع علاقے میں شامل ہوگیا۔

۱۷۹۵ء میں تالپوروں نے خان آف کلات سے کراچی کا علاقہ واگزار کرکے اسے اپنی ریاست میں شامل کرلیا۔

(بہ شکریہ : سہ ماہی معلومات نامہ)

تعارف : غیر سرکاری تنظیمیں

کارتیاس

کارتیاس کا مطلب "محبت" ہے۔ اسی جذبے کے ساتھ کارتیاس پاکستان کراچی نے تشکیل نو کے بعد خلوص و ہمدردی اور خدمت کے پانچ سال مکمل کرلئے ہیں۔

ابتدائی سالوں میں ڈایوسیس کراچی کے مخصوص علاقہ جات میں لوگوں سے اپنے رابطے استوار کیے گئے۔ اکثر اوقات لوگ آسانی سے قبول کرلیتے لیکن بعض کئی علاقوں میں مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ کچھ عرصہ بعد نتیجہ کے طور پر لوگ منظم ہوکر اپنے تئیں آج خود سرگرم عمل ہیں۔ لوگوں میں والنٹیئر شپ کا بہت جذبہ ہے لیکن ترقیاتی عمل میں ہم خیال بنانا ایک چیلنج ہے۔ اپنی میشن نے جو بنیاد فراہم کی اسی پر آج موجودہ پروگرامز' لیڈرشپ ٹریننگ' سیڈ ٹریننگ' ہیلتھ' اپرنٹس شپ اور کوآپریٹو کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ انہی کی بدولت لوگوں میں ہماری جڑیں مزید پھیلی ہوئی ہیں۔ زندگی میں گولاکھ مسائل درپیش کیوں نہ ہوں اگر لوگوں کی سرکت ہو تو وہ اتحاد کی صورت میں مسائل کے حل کے لئے سرگرم عمل ہوجاتے ہیں۔ مثلاً کوآپریٹو معاشی مسائل کی جانب ایک پہلا قدم ہے جس کے لئے کئی گروپ علاقوں میں مسلسل جدوجہد کررہے ہیں۔

✤ ✤ ✤

بقیہ ⇦ منصوبہ بندی کا عمل

بندی کے عمل کا نتیجہ ہے جس کے لئے اسے یو این سی ایچ ایس' یو این ڈی پی اور مقامی اور غیرملکی مشیروں کی ایک ٹیم کی امداد و اعانت حاصل تھی۔ یہ منصوبہ ۸۵-۱۹۷۴ء کے منصوبے سے بڑی حد تک مختلف ہے کیونکہ اس میں ایک ماسٹرپلان تیار کرنے کے بجائے منصوبہ بندی کے عمل کو ترقی دینے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ منصوبے کے اہم مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

الف) کے ڈی اے کے اندر مقداری تجزیے اور جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مدد سے ایک نیا "اربن گروتھ مینجمنٹ ٹول) تیار کرنا۔

ب) ایسے طریق کار اور میکنزم وضع کرنا جن کی مدد سے کے ڈی اے کے تیار کردہ ترقیاتی منصوبوں کو حکومت کے چھوٹے بڑے سرمایہ کاری کے پروگراموں مثلاً کراچی اسپیشل ڈویلپمنٹ پروگرام (کے ایس ڈی پی) وغیرہ کے مطابق ڈھالا جاسکے۔

ج) کے ڈی اے کے عملے اور سینئر افسروں کو نئے تصورات اور طریقوں پر عملدرآمد کی تربیت دینا جس میں کمپیوٹر ہارڈویئر اور سافٹ ویئر کی تربیت بھی شامل ہے۔

یو این ڈی پی کے ایک مشن نے ۱۹۹۱ء میں کراچی ترقیاتی منصوبہ ۲۰۰۰ء عملدرآمد کا جائزہ لیا تھا اور بعض امور پر سخت تشویش کا اظہار کیا تھا۔

مسائل

یہ محسوس کیا گیا کہ کراچی میں منصوبہ بندی کے عمل میں انتہائی محدود پیمانے پر ترقی ہوئی ہے جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

☆ سابقہ منصوبوں اور منصوبہ بندی کی کوششوں پر عملدرآمد کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا۔

☆ منصوبہ بندی کرنے والی اتھارٹیز منصوبے پر عملدرآمد کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

☆ منصوبہ بندی کے عمل کے لئے سیاسی مینڈیٹ کا فقدان ہے۔

☆ منصوبہ بندی کے عمل میں فنی خامیاں ہیں۔

☆ منصوبہ بندی کرنے والی اتھارٹی' منصوبے کے لئے سرمایہ کاری کرنے والا ادارہ نہیں ہے۔

☆ منصوبوں میں عوام اور دلچسپی رکھنے والے گروپوں کی شراکت کا کوئی وجود نہیں ہے۔

(نعمان احمد اربن ڈیزائن گریجویٹ پروگرام۔ داؤد کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے کوآرڈی نیٹر ہیں)

بقیہ ⇦ اربن ریسورس سینٹر

زمینوں کی قیمت بڑھتی ہے۔ پرائیویٹ بلڈرز ان مکینوں کو بے دخل کرانے یا مکینوں سے خرید لینے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ نکال لیتے ہیں۔

2) وہ لوگ جو اعلان شدہ کچی بستیوں میں رہتے ہیں۔ ان بستیوں کو ریگولرائز کرنے کے پلان اس طرح بنائے جاتے ہیں کہ بہت سے مکانات گرانے پڑتے ہیں۔

3) ایسی بستیوں کے مکین جو بڑے ترقیاتی منصوبوں مثلاً فلائی اوورز' ایکسپریس وے' سیلاب سے تحفظ کی اسکیموں وغیرہ سے متاثر ہوتے ہیں۔

4) کراچی کے مرکزی علاقوں میں واقع کچی بستیاں جہاں زمین کی مالیت میں بے تحاشہ اضافہ ہورہا ہے۔

5) اقلیتی گروپس مثلاً بنگالی' افغانی' عیسائی اور ہندو جن کی بستیاں آئے دن کسی نہ کسی بہانے اجاڑ دی جاتی ہیں۔

(بہ شکریہ۔ دی نیوز)

بقیہ ⇦ کلکتہ کنونشن

تھی یہ حرکت یقیناً پورے پاکستانی وفد کے لئے باعث خفت تھی۔ ہر تنظیم کی ایک پالیسی ہوتی ہے۔ پاکستان بھارت فورم برائے امن و جمہوریت کی اساس فرقہ وارانہ رواداری' روشن خیالی' سیکولرازم اور ترقی پسندی ہے۔ جبکہ کلکتہ کنونشن میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو بنیاد پرست گروپوں کی نمائندگی کررہے تھے۔ ایسی جماعتیں جن کے نزدیک پاکستان اور ہندوستان کے درمیان دوستی کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی سیاسی دکان بند ہوجائے گی۔

کلکتہ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں پاکستانی وفد کے سربراہ ڈاکٹر مبشر حسن کہہ رہے تھے کہ "ہمارے ذمہ جو کام لگایا گیا ہے ہم اسے پورا کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔" یہ کام بہت تفصیل سے کرنے والا ہے۔ اس کے لئے وقت درکار ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان دوستی کا کام۔ عام افراد کے ذہنوں سے ایک دوسرے ممالک کے لئے نفرت کو محبت اور رواداری میں تبدیل کرنے کا ہے۔ جس کے لئے بہت سے محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً دہلی' لاہور اور کلکتہ میں ہونے والی کانفرنس کو بھارتی الیکٹرانک میڈیا پر کوریج دی گئی۔ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوا۔ یہ اس تعصب کی وجہ سے ہے جو ہمارے ہاں عام ہے۔ ہر کام بتدریج ہوسکتا ہے۔ ہم بات کرتے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان "ویزا" کی پابندی ختم کردی جائے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ ابھی تک یہ عوامی مطالبہ پورا نہیں کیا جاسکا کہ کراچی کا بھارتی ویزا آفس واپس آجائے تاکہ کراچی کے شہریوں کو بھارتی ویزا کی خاطر اسلام آباد کے دھکے نہ کھانے پڑیں۔

ہم اٹاری سے واہگہ کی طرف آرہے تھے۔ ان دونوں سرحدوں کے درمیان چبوترے پر چینی کے دو گلابی ہاتھ مصافحہ کررہے تھے۔ چبوترے کا سیمنٹ ابھی گیلا تھا۔ اٹاری کا وہ افسر جو دو ہفتے پہلے پاکستانی وفد کو اجازت نامے کے بہانے روکے کھڑا تھا پوچھنے لگا "تو آپ لوگ کرآئے کانفرنس" جی ہاں کانفرنس ہوگئی۔ ہم نے کلکتہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں پاک انڈیا دوستی کے گیت گائے۔ جلوس گزر رہا تھا۔ ایک لڑکا رکا۔ پوچھا۔ "یہ سب کیا ہے۔" "پاکستان انڈیا کی دوستی ہوگئی ہے" "دوستی ہوگئی؟" وہ متذبذب تھا۔ اس نے کبھی ایسی بات نہیں سنی تھی۔ کلکتہ میں بھی کبھی اتنے سارے پاکستانی اکٹھے نہیں آئے تھے۔

ہم وہاں دونوں ممالک کی "اسلحہ کی دوڑ" کی مذمت کرتے رہے۔ لوٹے تو بھارت کے پرتھوی میزائل کی سرگرمیوں کی خبریں چھپ رہی تھیں۔ ہمارے نومنتخب وزیراعظم جب حزب اختلاف میں تھے تو ٹی ٹیلی ویژن پر یہ کہتے سنائی اور دکھائی دیتے تھے کہ لوجی کیا اب ہم بھارت کے آلو کھائیں گے مگر وہ انتخابات جیتنے کے بعد بھارت کے ساتھ مسائل پر گفتگو کرنے کو تیار ہیں۔ گویا اب ہم ذہنی طور پر بھارت کے آلو کھانے کے لئے تیار ہورہے ہیں۔

✤ ✤ ✤ (بہ شکریہ : سنہرا دور کراچی)

چڑیا گھر کے فضلے کی کمپوسٹنگ

کراچی کے چڑیا گھر میں کمپوسٹنگ پلانٹ لگانے کے بارے میں پی سی ایس آئی آر کے مطالعے کے بارے میں شہری کا تجزیہ

کمپوسٹنگ کے عمل میں جو ٹھوس کچرے کی ری سائکلنگ کی ایک مشکل ہے' میونسپل کچرے کے نامیاتی مادوں کو پلاسٹک' ربڑ اور چمڑہ وغیرہ نکال کر بیکٹریا کی مدد سے ڈی کمپوز کیا جاتا ہے۔ بیکٹریا کی کارروائی کے بعد جو چیز بچتی ہے وہ کمپوسٹ یا کھاد ہمس (HUMUS) کہلاتی ہے' اس کھاد کو باغات اور لان میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ہمس میں کئی خصوصیات ہوتی ہیں جو نہ صرف زمین کے لئے سودمند ہوتی ہے بلکہ اس سے افزائش میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس سے زمین میں پانی کی سطح دیر تک برقرار رکھنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے' ٹھوس زمین میں پانی اور ہوا کا تناسب بہتر ہوجاتا ہے اور پودوں اور درختوں کے جڑوں کے نظام کو پھلنے پھولنے میں مدد ملتی ہے۔

کمپوسٹنگ سے بھاری مقدار میں ایسے نامیاتی مادے حاصل ہوتے ہیں جنہیں ہر سال کاشت کی وجہ سے ضائع ہوجانے والے نامیاتی مادوں کی کمی کو پورا کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس طرح زمینوں کو بنجر ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔

کمپوسٹنگ کوئی حال کی دریافت نہیں ہے' اس طریق کار پر صدیوں سے عمل ہوتا رہا ہے' تاہم اب جس ٹیکنالوجی کو ترقی دی گئی ہے اسے بڑے پیمانے پر عوام میں پھیلانے کی ضرورت ہے تاکہ عام لوگ بھی اس سادہ' آسان اور محفوظ طریقے کو استعمال کرسکیں۔

پاکستان کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ نے اپنی چیف سائنٹفک آفیسر مسز راحیلہ خطیب کی نگرانی میں ایک جائزہ مکمل کیا ہے' جس میں کراچی کے چڑیا گھر سے نکلنے والے کچرے کی کمپوسٹنگ کے امکانات کا جائزہ لیا گیا ہے' اس جائزے کے نتائج بہت حوصلہ افزا نکلے ہیں۔

جائزے میں پایا گیا کہ چڑیا گھر کے باغات سے ہر روز تقریباً" دو ٹرک کچرا نکلتا ہے۔ جو پنجروں سے نکلنے والے حیوانی فضلے' غذائی اشیاء' پتوں' گھاس پھوس اور درختوں اور پودوں کے تراشیدہ حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ باغ میں آنے والے جو غذا اور اس کی پیکجنگ استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس کچرے میں شامل ہوتی ہے۔ اس کچرے کو ٹھکانے لگانے کا سب سے موزوں طریقہ کمپوسٹنگ ہے کیونکہ اس ٹھوس کچرے کا بیشتر حصہ حیاتیاتی طور پر ڈی گریڈ ہوجاتا ہے۔ اس میں ۳۰ سے ۷۰ فیصد نامیاتی مادے اور ایک سے دو فیصد نائیٹروجن پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کراچی کا موسم (جو گرم اور نمی والا ہے) اس کچرے کو ہمس میں تبدیل کرنے کے لئے بہت سازگار ہے۔

اس کچرے کے متعدد نمونے جمع کئے گئے اور ان کی پروسسنگ کی گئی۔ بعض عوامل جن پر غور کیا گیا یہ تھے کہ چڑیا گھر اور نباتات کے باغ سے نکلنے والے کچرے کی مقدار اور کوالٹی موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور اس حقیقت سے بھی پرندوں' جانوروں اور درختوں پودوں وغیرہ کی تعداد کیا ہے' جانوروں کی عمر کیا ہے' وہ جو خوراک استعمال کرتے ہیں اس سے بھی نکلنے والے کچرے کی مقدار اور خواص پر اثر پڑتا ہے۔ جائزہ میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ چڑیا گھر سے نکلنے والے کچرے کو آسانی کے ساتھ ہمس میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

کمپوسٹنگ ایک ایسا عمل ہے جسے کچرے کو ٹھکانے لگانے کے دوسرے طریقوں کے برعکس چھوٹے پیمانے پر بھی بروئے کار لایا جاسکتا ہے' دنیا کے کئی ممالک میں گھریلو کمپوسٹنگ کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے کیونکہ اس کے ذریعے اس جگہ یعنی گھر میں کچرے کو ٹھکانے لگایا جاسکتا ہے جہاں سے وہ پیدا ہوتا ہے ا کچرہ باغبانی کے لئے بہترین کھاد فراہم کرتا ہے اور لان اور باغات کے لئے کیمیائی کھاد خریدنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ محسوس کیا گیا ہے کہ چڑیا گھر میں ایک نمائشی کمپوسٹنگ یونٹ قائم کرنے سے عوام اور چڑیا گھر آنے والے لوگوں میں کچرے کی ری سائیکلنگ کا شعور پیدا کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ ٹھوس کچرے کو ٹھکانے لگانا کراچی شہر کا ایک سنگین شہری مسئلہ ہے۔ کراچی شہر میں پیدا ہونے والا بیشتر ٹھوس کچرا کمپوسٹ کیا جاسکتا ہے' بشرط یہ کہ موثر انتظام کے ساتھ کمپوسٹ پلانٹ قائم کئے جائیں۔ ✤✤

> **چڑیا گھر اور نباتاتی باغ سے نکلنے والے کچرے کی مقدار اور کوالٹی موسم کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے' اس کا انحصار پرندوں' جانوروں' درختوں' پودوں کی تعداد اور عمر پر بھی ہے**

سید صداقت علی

قلعہ حیدر آباد کی شکست و ریخت

قلعہ حیدر آباد کو تحفظ دیا جائے

یہ ذمہ داری حکومت کی ہے کہ وہ قلعہ حیدر آباد کے تاریخی ورثے کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کے لئے فوری اقدامات کرے

جو قومیں اور ممالک اپنے ماضی پر فخر اور اس کی قدر کرتی ہیں' وہ ان عمارتوں اور یادگاروں کے تحفظ کے لئے محنت اور جدوجہد بھی کرتی ہیں جو ان کی تاریخی ترقی کے عمل میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو ایک بھرپور اور متنوع تاریخی پس منظر کا حامل ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے تاریخی مقامات اور عمارات کی بحالی اور تحفظ کے لئے اسکیمیں اور پراجیکٹس بنانے کے لئے کچھ زیادہ کوششیں نہیں کی گئیں۔ حیدر آباد قلعہ بھی ایسے ہی بے رخی اور لاپرواہی کے رویئے کا شکار ہے۔

حیدر آباد جو کبھی سندھ کا دارالحکومت ہوا کرتا تھا' اب پاکستان کا چھٹا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ جنوبی ایشیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ حیدر آباد شہر کا آغاز زمانہ قبل از تاریخ میں ہوا تھا۔ گنجو ٹکر جو ایک قریبی پہاڑی سلسلہ ہے ایک عبادت گاہ ہوا کرتی تھی۔ اس شہر کی ابتدائی ترقی کا سہرا اس علاقے کے ایک ہندو راجہ "نیرون" کے سر ہے' اسی لئے اس کا قدیم نام "نیرون کوٹ" تھا۔

قلعہ حیدر آباد جو حیدر آباد شہر کا سب سے نمایاں امتیازی نشان ہے سندھ کے عظیم حکمراں غلام شاہ کلہوڑو نے تعمیر کرایا تھا۔ قلعہ کے سنگ بنیاد پر ۱۱۸۲ ہجری' (جنوری فروری ۱۷۶۹ء) کی تاریخ درج ہے۔ قلعہ ایک سطح مرتفع پر واقع ہے جس کی وجہ سے اس کی جنگی حیثیت بہت اہم ہے۔

متعدد بار مختلف مقاصد کے لئے استعمال کئے جانے کے بعد موجودہ صدی کے آغاز میں اس قلعہ کو خالی چھوڑ دیا

> علاقے میں سیوریج کا کوئی مناسب انتظام نہیں ہے اور یہی قلعہ کی بگڑتی ہوئی صورتحال کا سب سے بڑا سبب ہے قلعہ حقیقی اعتبار سے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بکھر رہا ہے اور ایک افسوسناک منظر پیش کر رہا ہے

گیا۔ قیام پاکستان کے بعد حیدر آباد شہر کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہوگیا قلعے کا علاقہ جو اب "پکا قلعہ" کہلاتا ہے ایک رہائشی علاقے میں بدل دیا گیا۔ تاہم ۱۹۷۱ء کے بعد قلعہ کی دیکھ بھال کے لئے فنڈز کی فراہمی بند کردی گئی اور اب قلعہ کے علاقے کو ایک "کچی آبادی" قرار دے دیا گیا ہے۔

اب قلعہ کے اندر اور اس کے باہر رہائشی اور تجارتی سرگرمیاں جاری ہیں۔ علاقے میں ڈرینج یا سیوریج کا کوئی مناسب انتظام نہیں ہے اور یہی قلعہ کی بگڑتی ہوئی صورتحال کا سب سے بڑا سبب ہے۔ قلعہ حقیقی اعتبار سے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بکھر رہا ہے اور ایک افسوسناک منظر پیش کرتا ہے ماضی کی یہ عظیم اور شاندار عمارت اب اپنی عظمت رفتہ کا محض ایک سایہ نظر آتی ہے۔

حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قلعہ حیدر آباد کی بحالی اور تحفظ کے لئے فی الفور ایک جامع تحفظاتی منصوبہ شروع کرے تاکہ اس اہم اور تاریخی تعمیراتی ورثے کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کیا جاسکے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ مقامی شہری اور قلعہ کے علاقے میں رہنے والے لوگ بھی ان کوششوں میں ہاتھ بٹائیں اور اگر ضرورت پڑے تو اس ضمن میں بعض سخت فیصلے کرنے کے لئے بھی تیار رہیں۔

(سید صداقت علی سول انجینئر ہیں)

❄❄❄

قلعے کے پیش منظر کا کاروبار